اکتوبر 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

www.urducouncil.nic.in

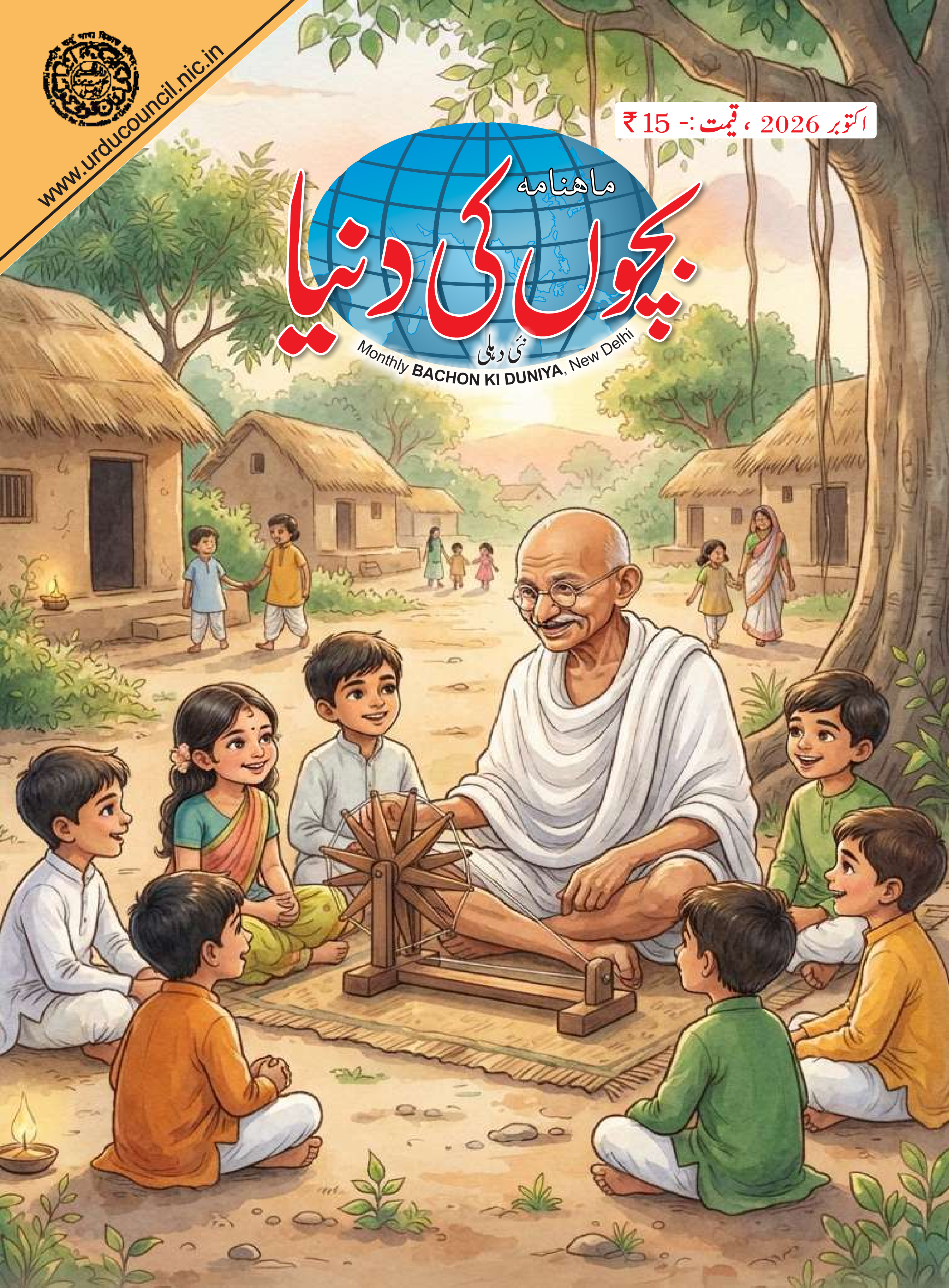

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا
نئی دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق 'خبرنامہ' بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

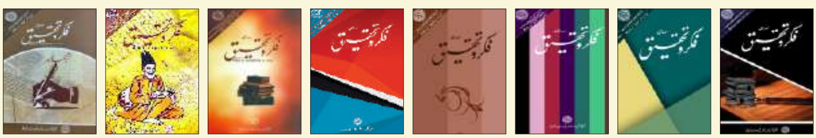

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
متین اچل پوری کے ننھے منے گیت	حسین قریشی	07
عالمی یوم سیاحت	وسیم سعید	10
اچھے دوست کی خوبیاں	سینان ہیلسیری	12
	باپو کی باتیں	
جب باپو ہمارے اسکول آئے	محمد انیس الرحمٰن خان	14
	نظمیں	
اکتوبر کے مختلف رنگ	انصار احمد معروفی	19
لوریاں	راحت مظاہری	20
ماں کی آنکھ کے تارے بچے	عاکف سنبھلی	21
آج خوشی کا دن پھر آیا	خان حسنین عاقب	22
صبح	شمس النسا کرن	23
میرا پیارا گدھا	معزالدین ماجد	23
جنت ہے ماں	نظیر راہی	24
نیا چھاتا	احسان انور	25
	کہانیاں	
ایک کہانی لالو کی	نذیر فتح پوری	26
نوپالی تھین	مبین نذیر	30
سونے کے ٹکڑے کا لالچ	ندا احمد	33
حسین اور چیل	محمد رہبر عالم	36
مضبوط حوصلہ	دانش اکولوی	39
	باتصویر کہانی	
ایک سچ مچ کے راجکمار کی کہانی	ذکیہ مشہدی	43
	سائنس	
پروفیسر بیربل ساہنی	محمد خلیل	49
	کھیل/کھلاڑی	
کامن ویلتھ گیمز 2026	سید پرویز قیصر	53
	تعارف وتبصرہ	
میں ہوں انڈیا گیٹ	سراج عظیم/عبدالوارث	57
	زبان شناسی	
کب 'ن' کی آواز 'م' سے بدل جاتی ہے؟	سید بدرالحسن	59
	جنرل نالج	
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	60
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ: 10 اکتوبر 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 011-35151992

شعبہ ادارت: 011-35152009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا۔ 201301 (یوپی)

قیمت: -/15 روپے، سالانہ: -/145 روپے

قلمکاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل

اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 1-5، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

نئی روشنی

پیارے بچو! دنیا میں ہر عمل کا اپنا ایک نظام ہے، جس کے تحت چیزیں رونما ہوتی ہیں۔ دن، مہینے اور سال کا تعلق بھی اسی نظام یعنی سسٹم کا ایک حصہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نوعیت ہر ملک میں مختلف ہوتی ہے۔

اکتوبر کا مہینہ ہندوستان میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس مہینے میں سماجی، سیاسی، تعلیمی میدان میں نمایاں کارکردگی ادا کرنے والی کئی معزز شخصیات نے آنکھیں کھولیں۔ بابائے قوم موہن داس کرم چند گاندھی، سردار ولبھ بھائی پٹیل، ہندوستان کے دوسرے وزیر اعظم لال بہادر شاستری، جے پرکاش نارائن، سر سید احمد خان، ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام، ہومی جہانگیر بھابھا وغیرہ کی پیدائش اکتوبر میں ہی ہوئی ہے۔ ان رہنماؤں نے ہندوستان کی آزادی اور تعمیر و تشکیل میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مہاتما گاندھی نے انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے جو قربانیاں پیش کیں، انھیں بھلانا کسی کے لیے آسان نہیں۔ بچو! شاید آپ کے علم میں ہوگا کہ گاندھی جی نے جس عدم تشدد کے فلسفے کو طاقتور انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ میں استعمال کیا، وہ نہایت کارگر ثابت ہوا۔ اس فلسفے کو ہندوستان کے ساتھ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی عزت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ کئی سائنس داں اور فلسفیوں نے بھی اس فلسفے کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ آئنسٹائن کا نام آپ لوگوں نے ضرور سنا ہوگا، سائنس کے میدان میں انھیں خاص مقام حاصل ہے۔ انھوں نے گاندھی جی کے بارے میں کہا تھا:

> ’’مہاتما گاندھی کی کامیابیاں دنیا کی سیاسی تاریخ میں منفرد اہمیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے غلام ملک کی آزادی کے لیے اچھوتے طریقے متعارف کرائے جن کے اثرات پوری دنیا میں طویل عرصے تک محسوس کیے جاتے رہیں گے ... گاندھی آنے والی نسلوں کے لیے رہنما شخصیت رہیں گے۔ انھیں یقین نہیں آئے گا کہ ایسا انسان کبھی ہمارے درمیان گوشت کی شکل میں تھا۔‘‘

واقعی گاندھی جی کے صبر اور بلند حوصلے کے آگے انگریزوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور ہندوستان کی آزادی میں مہاتما گاندھی ایک ہیرو کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ گاندھی جی کی انہی قربانیوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہر سال 2 اکتوبر کو گاندھی جینتی منائی جاتی ہے۔ اس تاریخ کو تمام سرکاری اور غیر سرکاری اسکول اور دفاتر بند رہتے ہیں۔ اس دن لوگ گاندھی جی کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ وزیر اعظم عزت مآب شری نریندر مودی نے اس دن کو مزید خاص بنانے کے لیے اسے صفائی مہم سے بھی جوڑ دیا ہے۔ 2 اکتوبر 2014 سے اس دن کو ’سوچھ بھارت ابھیان‘ کے آغاز سے بھی جانا جانے لگا ہے۔ اس دن لوگ اس ابھیان سے جڑ کر ہندوستان کو پاک صاف اور ہرا بھرا بنانے کا عزم کرتے ہوئے صفائی میں حصہ لیتے ہیں۔

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کے زیرِ نظر تازہ شمارے میں گاندھی جی اور اسکول کے بچوں کے مابین مکالمے پر مبنی ایک تحریر ’جب باپو ہمارے اسکول آئے‘ شامل کی جا رہی ہے، تاکہ بچے باپو کی شخصیت اور ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں اور رہنما اصولوں سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ اس کے علاوہ اس شمارے میں بچوں کی پسند کو دھیان میں رکھتے ہوئے نظمیں، کہانیاں، کھیل/ کھلاڑی جیسے کالم بھی شامل کیے گئے ہیں۔ امید ہے یہ تحریریں آپ کو ضرور پسند آئیں گی اور اپنے تاثرات بھی ارسال کریں گے۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

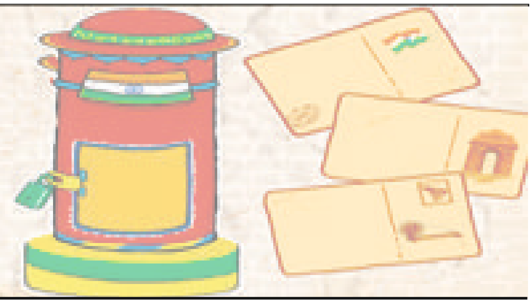

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ برابر مطالعے میں رہتا ہے۔ یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوتی ہے کہ قومی اردو کونسل بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ بچوں کی دنیا کو سجانے اور سنوارنے میں مشغول رہتا ہے۔ خدا آپ کے ادارے اور مقصد کو مسلسل برقرار رکھے۔ بچوں کی سوئی ہوئی ذہنی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے یہ ایک اہم ترین مشغلہ ہے۔ اس بات سے سبھی لوگ بخوبی واقف ہیں کہ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے دو طریقے زیادہ موثر ہوتے ہیں، ایک تقریر دوسرا تحریر۔ تقریر کا تعلق بولنے اور تحریر کا تعلق لکھنے سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اچھی تقریر کرنا اور اچھی تحریر لکھنا جانتے اور سمجھتے ہیں وہ اپنی بات کو سلیقے سے لوگوں تک پہنچانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ تقریر اور تحریر کی اہمیت اگرچہ اب بھی اپنی جگہ موجود ہے لیکن موجودہ زمانے میں تحریر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہورہی ہے، بہت سی کتابیں لکھی جارہی ہیں، رسائل نکل رہے ہیں اور اخبارات چھپ رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا کے علاوہ الیکٹرانک میڈیا میں بھی تحریر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر ماہنامہ ’بچوں کی دنیا اول تا آخر معلومات افزا مضامین اور دلچسپ وسبق آموز واقعات سے مزین ہے، شعری و نثری حصے بھی جاندار اور شاندار ہیں۔ ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کی پوری ٹیم کو میری جانب سے دلی مبارکباد!

سلطان احمد ساحل، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ اگست کا شمارہ بازار سے خرید کر پڑھا۔ یہ شمارہ کافی پسند آیا۔ سرورق پر آزادی کے تعلق سے بچوں کے ہاتھ میں خوبصورت ترنگے اور پتنگ بہت اچھے لگے۔

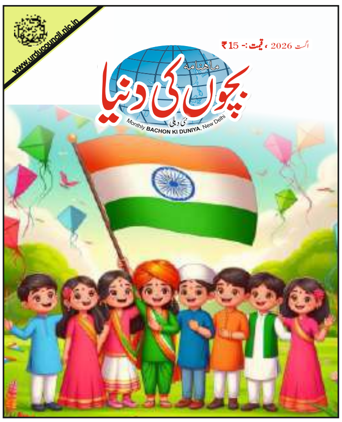

ہر بار کی طرح اس بار کا بھی اداریہ بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ اس میں بھارت کو آزاد کرانے والے نوجوانوں کی قربانیوں کو جس سلیقے سے بیان کیا گیا ہے اسے پڑھ کر ہر ہندوستانی کے اندر حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ موجودہ ہندوستان تعلیم، سائنس، زراعت، باغبانی اور دیگر شعبوں میں نمایاں ترقی کررہا ہے، اس کی جھلک ہمیں ہر جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ ’بچوں کی دنیا‘ کا ڈاکخانہ بھی بہت دلچسپ ہوتا ہے، اس کے ذریعے ہمیں پورے شمارے کے مشمولات کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اگست 2026 میں آزادی کے تعلق سے جو گوشہ شائع کیا گیا ہے وہ بہت معلوماتی ہے۔ اس گوشے میں شامل شبنم کمالی کی (ہم آزاد وطن کے بچے) اور فردوس بانو کی (آزادی) بہت اچھی نظمیں ہیں۔ اس کے علاوہ چاروں مضامین: قومی ترانہ (سید محمد ابراہیم فکری)،

تحریک آزادی کے رہنما (عادل حیات)، یوم آزادی: قربانی، جدوجہد، اتحاد اور عزمِ نو کی روشن صبح (فہیم اشرف)، یوم آزادی (محمد سلمان) کافی معلوماتی مضامین ہیں۔ ان مضامین کے مطالعے سے ہمارے اندر بھی ملک سے وفاداری اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ واقعی یہ دن قربانی، جدوجہد، اتحاد اور عزم نو کی روشن مثال پیش کرتا ہے۔ اسی لیے 15 اگست کو سرکاری دفاتر کے ساتھ دیگر اداروں میں جھنڈے پھہرائے جاتے ہیں اور سبھی ہندوستانی اس دن کا جشن مناتے ہیں۔

گوشے کے علاوہ تعلیم و تربیت کے تحت دو مضامین: بچوں کی ذہنی نشو و نما میں گھر اور اسکول کا باہمی کردار (احسان عالم) اور بچوں کی تربیت میں دادا دادی اور نانا کے کردار (رضوانہ سید) موجودہ دور کے بچوں کے لیے بہت مفید مضامین ہیں۔

نظموں میں برسات (سیدہ فرحت)، موسم (ناصرالدین قمرالدین ناصر)، موسم چاچا (علی شاہد دلکش)، یحیٰی کا تھیلا (تابش ردولوی)، دوستی کیجیے کتابوں سے (یاسین انصاری)، میرا قلم (رخشاں ہاشمی) سبھی نظمیں دل چھو لینے والی ہیں۔

کہانیوں میں پرویز مانوس کا 'ادھورا چاند' دل کو چھو لینے والی کہانی ہے، اس ایک معذور بچے کے حوصلے اور اس ارادے کو جس خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے وہ کہانی کار کا اپنا کمال ہے۔ بچوں کو یہ کہانی ضرور پڑھنی چاہیے۔ اس کے علاوہ برسات کے تعلق سے دو کہانیاں: بارش آئی چھم چھم چھم (شاہ تاج خان) اور بچپن کی وہ برساتیں (رومانہ عفت راہی) برسات کے مختلف شیڈس سے ہمیں واقف کراتی ہیں۔

سائنس کے تحت پرندوں کی خصوصیات (اطہر پرویز) اور صحت کے تحت: آٹزم (عبدالرحمٰن شافی) کے مضامین اس شمارے کو دوبالا بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر تحریریں بھی مطالعے سے تعلق رکھتی ہیں۔

عبدالمجید مکرو، اروانی، کلگام، جموں و کشمیر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' مارچ کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ اس کے دلچسپ، رنگین اور جاذب نظر سرورق کو

دیکھ کر بچے تو کیا بڑے بھی خوش ہو جائیں۔ اس ماہ کے شمارے میں ناچیز کی نظم 'سبزیاں' دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی جس کے لیے میں ادارے کی بے انتہا مشکور ہوں۔

اداریے میں مدیر ڈاکٹر شمس اقبال نے علم کے حصول کے ساتھ ساتھ بچوں کو کھیل کی اہمیت کو بہت خوبصورت طریقے سے بیان کیا ہے۔ اس شمارے کے تمام مضامین بہت پسند آئے، خاص کر کے شمیم اختر کا مضمون 'ننھے دل گہرے جذبات' بہت اچھا لگا۔ شمارے میں شامل نظمیں اور کہانیاں ہمارے اسکول کے بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس رسالے سے نہ صرف بچوں میں اردو پڑھنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے بلکہ ان کی معلومات اور علم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اتنے دلچسپ رسالے کے لیے میں 'بچوں کی دنیا' کی ساری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

شمس النساء کرن، ہندوپور، آندھرا پردیش

متین اچل پوری کے ننھے منّے گیت

حسین قریشی

متین اچل پوری بچوں کے مشہور و معروف ادیب تھے۔ انھوں نے بچوں کے لیے پیاری پیاری نظمیں، عمدہ گیت اور دلچسپ کہانیاں لکھیں۔ بچوں کی پسند اور ان کی نفسیات کو وہ بخوبی سمجھتے تھے۔ انھوں نے بچوں کے لیے عمر اور درجات کے لحاظ سے ادب تخلیق کیا۔ ان کی زندگی کا نصف صدی سے زائد عرصہ ادب اطفال میں گزرا۔ ان کی تحریریں بچوں کے ساتھ بڑوں میں بھی مقبول ہیں۔

متین اچل پوری کی تقریباً 17 کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جس میں 14 کتابیں نظموں پر مشتمل ہیں۔ ان کی ایک کتاب 'اکشر دھارا' نام سے بھی ہے جو ہندی زبان میں شائع ہوئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ کہانیوں پر بھی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

یہاں ان کی کتاب 'ننھے منھے گیت' پر گفتگو کریں گے۔ یہ کتاب درجہ اول و دوم کے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نئی تعلیمی پالیسی کے لحاظ سے عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں سرورق کے بعد حیدر بیابانی کا مضمون 'ہماری بھی سنو...' شامل ہے۔ اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچے قوم و ملت کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ انھیں ان کی ذہنی اور روحانی تربیت کے سامان فراہم کرنا چاہیے۔ ان کی ترقی کے لیے انھیں ادب سے منسلک رکھنا چاہیے، انھیں تعلیمی ماحول دینا چاہیے، ان کے اندر کی چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے نت نئے طریقے، تجربات اور حالات مہیا کرنا چاہیے اور یہ کام ادب اطفال کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔ مزید انھوں نے چھوٹے بچوں کی نفسیات پر روشنی ڈالی ہے کہ پانچ سال کے بچوں کو ایسے ادب کی ضرورت ہوتی ہے جسے وہ دلچسپی سے سن سکیں، بول سکیں اور یاد رکھ سکیں۔ دوسرا مضمون کبیر حنفی کا ہے، انھوں نے اپنے مضمون میں متین اچل پوری کی شخصیت اور ان کی علمی اور ادبی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔

'ننھے منّے گیت' دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ درجہ اوّل کے طلبا کے لیے ہے جن کی عمر چھ برس کے آس پاس ہو۔ اس حصے میں کل 16 نظمیں شامل ہیں جن کے

نام اس طرح ہیں: اماں جی، مرغی کے بچے، گڈو چلنا سیکھ رہا ہے، سات دن، مخمل کی ٹوپی، بھیا ہمارا، گڑیا کی مالا، ناؤ، بابو کی بکری، بیری، سردی، گنتی کا گیت، منے میاں، گلی ڈنڈا، چڑیا کے بچے اور وطن کے رکھوالے۔ پہلی نظم 'اماں جی' میں بہت سے مانوس الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے الفاظ بچے بآسانی سن، بول اور سمجھ سکتے ہیں۔

دوسری نظم 'مرغی کے بچے' ہے۔ اس نظم کا ہر مصرع تین چھوٹے چھوٹے الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں پانچ اشعار ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مرغی کے بچے لگتے ہیں اچھے
ہیں پورے سولہ ہر ایک بھولا
ماں جو پکارے دوڑیں گے سارے
ماں کے دیوانے چلتے ہیں دانے
مرغی کے بچے لگتے ہیں اچھے

نظم 'سات دن' میں بچوں کو کھیل کھیل میں ہفتے کے سات دنوں کے نام یاد کروا دیے ہیں۔ اس نظم کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تمام دنوں کے کام کی تفصیلات کا بھی ذکر ہے۔

'مخمل کی ٹوپی' چھوٹی بحر کی نظم ہے۔ اس نظم میں دو سے تین مصرعوں کے اشعار ہیں۔ کئی الفاظ بار بار بیان کیے گئے ہیں تا کہ بچے ان الفاظ کو بغور سنتے اور بار بار دہراتے رہیں۔

'بھیا ہمارا' بھی چھوٹی بحر کی نظم ہے۔ اس میں بچے کو اپنے بھائی کے لیے لائی گئی لونا سواری کے بارے میں کچھ دلچسپ جانکاریاں فراہم کرائی گئی ہے۔ اس نظم کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بھیا ہماری آنکھوں کا تارا
جائے گا پونا لائے گا لونا
لونا سواری ہے کتنی پیاری
بھیا چلائے گا ہم کو بھی بٹھائے

'گڑیا کی مالا' بچوں کی پسند کو دھیان میں رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں ردیف قافیہ کا میل جول متاثر کن ہے۔ اسی طرح دیگر گیت جن کے عنوانات ناؤ، بابو کی بکری، بیری، سردی، گنتی کا گیت، منے میاں، گلی ڈنڈا اور چڑیا کے بچے شامل ہیں۔ ان میں بھی گوناگوں خصوصیات موجود ہیں۔ تمام عنوانات بچوں کی دلچسپی کے ہیں۔

دوسرا حصہ درجہ دوم یعنی سات سال تک کی عمر کے بچوں کے لیے ہے۔ اس حصے میں کل 11 نظمیں شامل ہیں جن میں 'میں'، تعریف، رنگ، گڑیا کی تختی، آئینہ بولتا ہے، کھٹی میٹھی بیری، پھول بناؤ، میاں مخدوم، گھروندہ، مٹی کے کھلونے، کام کے پیڑ، کوئل، فراک اور پانی شامل ہیں۔ اس حصے کا پہلا گیت 'وطن کے رکھوالے' ہے، اس نظم کو پڑھ کر وطن سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری نظم 'میں' میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ اس نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کس نے سجائے چاند اور تارے
رب نے ہمارے رب نے ہمارے
کس نے کھلائے یہ پھول سارے
رب نے ہمارے رب نے ہمارے
کس نے دیے ہیں ماں باپ پیارے
رب نے ہمارے رب نے ہمارے

اس حصے میں شامل نظمیں مختلف موضوعات پر ہیں جو بچوں کی دلچسپی کو دھیان میں رکھتے ہوئے لکھی گئی ہیں، مثلاً اس میں دو نظمیں 'آم' اور 'جامن' پر ہیں جس میں ان درختوں کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آم اور جامن کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ ہمارے لیے کتنے مفید ہیں۔ ایک نظم کھیل پر بھی ہے۔ کھیل تقریباً سبھی بچوں کا پسندیدہ موضوع ہے۔ یہ اور بات کہ کسی کو کرکٹ پسند ہے تو کسی کو ہاکی، کسی کو فٹ بال پسند ہے تو کسی کو ٹینس۔ الغرض ہر بچے کی الگ پسند ہوتی ہے۔ ایک نظم 'پانی' پر ہے۔ پانی سبھی جانداروں کے لیے بیش بہا نعمت ہے چاہے وہ انسان ہوں یا چرند و پرند۔ اس نظم میں انھوں نے پانی کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جھر جھر جھر جھر بہتا پانی — سردی گرمی سہتا پانی
برف کہیں ہے بھاپ کہیں ہے — شکل بدلتا رہتا پانی
روکو تو تالاب بنا لو — ندی کیا ہے بہتا پانی
گہرے پانی میں جو کودے — اس کو ڈبو کے رہتا پانی
مل جل کے رہتی ہیں موجیں — مل کر رہنا کہتا پانی

ان کے علاوہ دیگر گیت بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے تمام گیتوں کو سادہ، سلیس اور آسان زبان میں تحریر کیا ہے۔ امید ہے کہ بچے اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے۔

■

Shaikh Husain Shaikh Yaqub Qureshi
Ward No.: 7, Near KGN Masjid
At Post: Tq: Motala
Distt.: Buldana - 443103 (Maharashtra)
Mob.: 9850155656

وسیم سعید

عالمی یوم سیاحت

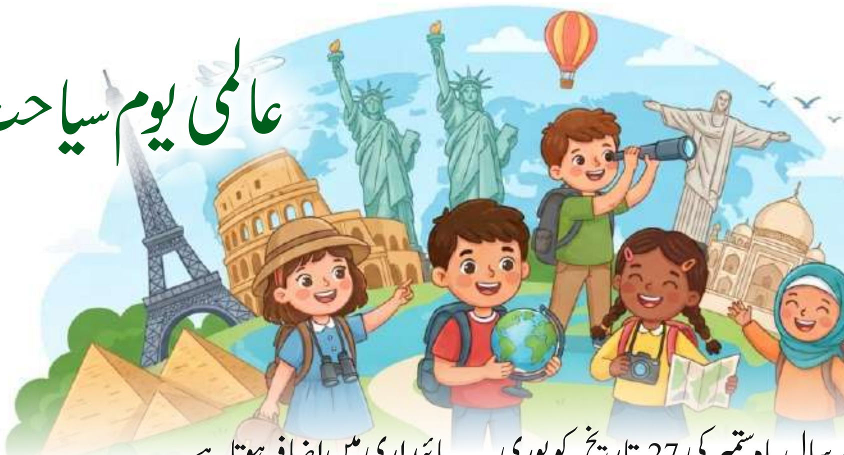

پیارے بچو! ہر سال ماہ ستمبر کی 27 تاریخ کو پوری دنیا میں عالمی یوم سیاحت بڑے جوش وخروش کے ساتھ منایا جاتا ہے۔اس کی اہمیت وافادیت اوراس کے سماجی، اقتصادی اورثقافتی اثرات کواجاگر کرنے کے لیے یہ دن بڑا اہم مقام رکھتا ہے۔ عالمی یوم سیاحت بین الاقوامی اتحاد، امن وامان، ہم آہنگی اور اقتصادی خوشحالی کوفروغ دینے کے لیے عالمی توجہ کواپنی جانب مبذول کرانے میں کلیدی رول ادا کرتا ہے۔

پیارے بچو! ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا میں امن وامان اورخوشحالی کوفروغ دینے میں سیاحت کا کردار اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جتنے زیادہ لوگ سفر کرتے ہیں، اتنی ہی متنوع ثقافت کا وہ تجربہ کرتے ہیں، جو زیادہ رواداری اور اخوت کا باعث بنتی ہے۔اس سے مختلف خیالات ،نظریات ،اعتقادات کےلوگوں کوایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ سیاحت متعدد مشکلات اور رکاوٹوں کوختم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے ۔یہ روزگار فراہم کرنے اورانسانی جذبات کے فروغ کے مضبوط طریقوں کواُجاگر کرکے مقامی ذرائع ابلاغ کوترقی دینے میں بھی مدد کرتی ہے۔ اس طرح علاقوں کی پائیداری میں اضافہ ہوتا ہے۔

پیارے بچو! آنے والے 27 ستمبر کو عالمی یوم سیاحت 2027 کی تھیم ’تعلیم کے ذریعے سیاحت کوتبدیل کرنا‘ 'Transforming tourismthrough education' ہے۔اس میں سیاحت کے شعبے میں صلاحیت کی تعمیر اورعلم کے اشتراک وتبادلے کے اہم کردار پرزور دیا گیا ہے۔ عالمی یوم سیاحت کی اس سال کی سرکاری تقریب کی میزبانی افریقہ میں کیپ وردے (Cape Verde) میں منعقد کی جائے گی جس میں اس بات پرتوجہ مرکوز کی جائے گی کہ کس طرح سیاحت کو عام لوگوں کے لیے بنایا جاسکے۔

پیارے بچو! سیاحت امن اورخوشحالی کو قائم کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔موجودہ دور میں سیاحت نہ صرف معاشی محرک ہے بلکہ زیادہ جامع اور پُر امن دنیا بنانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ سیاحت کا شعبہ عالمی معیشت کوکھلے بازار کی طرح ترقی کرنے کے نمایاں طور طریقوں کو فروغ دیتا ہے اور لاکھوں کروڑوں افراد کو نوکریاں فراہم کرتا ہے۔ سیاحت لوگوں کو اپنی ثقافتوں، روایات اورعلم وہنرکو بانٹنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ

تبادلہ ثقافتی ورثے کے تحفظ اور مختلف ذات برادریوں کے درمیان احترام، ہم آہنگی اور بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دینے میں مدد کرتا ہے۔ یہ ماحولیاتی مسائل کے بارے میں بیداری بڑھانے میں مدد کرتا ہے اور ہمارے سیاحوں کے بہتر تحفظ، دیکھ بھال اور نگہداشت کو فروغ دیتا ہے۔ سیاحت مقامی علاقوں میں بہتر سہولیات اور خدمات فراہم کرسکتی ہے جس سے زائرین اور مقامی رہائشی عوام دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

فی الحال ہندوستان میں سیاحت کی صنعت نے حالیہ برسوں میں نمایاں ترقی کی ہے۔ ہندوستان بے شمار سیاحتی تجربات، خوبصورت اور دلکش قدرتی مناظر کے مقامات کا ملک ہے۔ کیرالہ، شملہ، گوا، آگرہ، راجستھان، مدھیہ پردیش، متھرا، کاشی جیسے مقامات سیاحوں کے لیے ہمیشہ بحث ومباحثے کا موضوع بنے رہتے ہیں۔

سیاحت دنیا کے اہم ترین اقتصادی شعبوں میں سے ایک ہے۔ یہ زمین پر ہر دس میں سے ایک شخص کو ملازمت دیتی ہے اور لاکھوں لوگوں کو روزی روٹی بھی فراہم کرتی ہے۔ سیاحت اکثر اقتصادی ترقی کے ذریعے امن اور خوشحالی کو ہی فروغ دیتی ہے۔ یہ صنعت ایک متحرک قوت کے طور پر ابھرتی ہے اور ایک دوسرے کے باہمی اشتراک سے ہی کام کرتی ہے۔ سیاحت کو بین الثقافتی مکالمے کی علامت بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ سیاحت دراصل ایک دوسرے سے ملنے، مختلف ثقافتوں کے بارے میں جاننے وسیکھنے، غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے، سننے اور اُن سے متعارف ہونے، غیر ملکی کھانوں و پکوانوں کے ذائقوں اور اُن کے شوق و ذوق کو سمجھنے، مختلف تہذیبوں وثقافتوں کے لوگوں کے ساتھ رابطے قائم کرنے، نئے نئے انسانوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور رواداری پیدا کرنے کا بہت ہی خوبصورت ذریعہ ہے۔

دنیا بھر میں 27 ستمبر کو بطور سیاحت کا عالمی دن منانے سے ہماری زندگیوں میں نئے نئے تجربات کا اضافہ ہوتا ہے۔ سفر کو ایک استاد کے طور پر بھی دیکھا اور تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ جو ہمیں بالکل نئی دنیا سے متعارف کرواتا ہے اور ہمیں چیزوں کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

اکتوبر 1997 میں اقوام متحدہ کی ڈبلیوٹی او (WTO) کی جنرل اسمبلی نے عالمی یوم سیاحت کی تقریب میں اقوام متحدہ کے شراکت دار کے طور پر کام کرنے کے لیے ہر سال ایک میزبان ملک کو نامزد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تب سے ہر سال کسی ایک ملک کو میزبان کے طور پر انتخاب کیا جا تا ہے۔ سیاحت کا عالمی دن 1980 سے ہر سال 27 ستمبر کو منایا جاتا ہے۔ اس تاریخ کو خاص طور پر اقوام متحدہ کے سیاحتی قوانین کو اپنانے کی سالگرہ منانے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ اقوام متحدہ کے سیاحتی قانون کا نفاذ 27 ستمبر 1970 کو ہوا تھا۔ ان قوانین کو عالمی سیاحت میں سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔

■

Waseem Sayeed
Mohd Ali College of Education
(B.Ed) Kalamna Rd, New Yerkheda
New Colony, Kamptee
Yerkheda-441001 (Maharashtra)
Mob.: 7620594269
waseemsayeed77@rediffmail.com

اچھے دوست کی خوبیاں

سینان بیلسیری

دوستی انسانی زندگی کی سب سے قیمتی چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ خون کے رشتوں کی طرح فطری نہیں ہے، لیکن یہ رشتہ باہمی اعتماد، محبت، اور خلوص سے بہت خاص بن جاتا ہے۔ سچی دوستی وہ طاقت ہے جو خوشی کو دوگنا اور غم کو آدھا کرسکتی ہے۔ سچے دوست وہ ہوتے ہیں جو مصیبت کے وقت ہمارے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور کامیابی کے لمحات میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ہمارے بہتر مستقبل کی خواہش کرتے ہیں۔ دوستی انسان کی زندگی میں ایک بہت بڑا سکون ہے۔ ہم اپنے دوست کو بہت سی وہ باتیں بھی بتا سکتے ہیں جو بسا اوقات ہم اپنے والدین کو بھی نہیں بتا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی میں خواہ کتنی ہی بلندی پر پہنچ جائیں، ہم ان دوستوں کو نہیں بھول سکتے جو ہمارے ساتھ کھڑے رہتے ہیں۔

ایک دوست کی سب سے بڑی خصوصیت اچھے اور برے کے درمیان تمیز کرنا ہے۔ ایک سچا دوست ہماری غلطیوں کی نشاندہی کرے گا اور ہمیں سیدھی راہ دکھائے گا۔ جب فیصلے لینے میں کوئی غلطی ہوجائے تو اس کی بھی نشاندہی کرے گا۔ اسی لیے یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ ''اگر انسان کو سمجھنا ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھو۔'' جہاں اچھے دوست انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتے ہیں وہیں برے دوست اسے بربادی کی طرف لے جانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

دوستی کے لیے ایک بڑا خطرہ 'غلط فہمی' ہے۔ اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ برسوں سے چلی آنے والی دوستیاں بھی ایک چھوٹی سی غلط فہمی کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ دوست جو اکٹھے کھیلتے اور پڑھتے بڑے ہوئے ہیں ایک دوسرے سے بات کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں اکثر غلط فہمیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خبر کا ایک چھوٹا ٹکڑا، کسی اور کے ذریعے کہا گیا ایک لفظ، یا یہاں تک کہ ایک غلط فہمی والا واقعہ دوستی میں دراڑ کا سبب بن سکتا ہے۔ آج کے ڈیجیٹل دور میں غلط فہمیوں کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ سوشل میڈیا کے ذریعے بات چیت اکثر ایسی صورت حال پیدا کر دیتی ہے جہاں حقیقی جذبات کا صحیح طریقے سے اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ کسی پیغام کا جواب دینے میں تاخیر کو بھی بعض اوقات غلط طریقے سے سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی کے اسٹیٹس یا پوسٹ کے بارے میں یہ سوچ کر پریشان ہوتے ہیں کہ یہ ان کے لیے ہے۔ درحقیقت، جن مسائل کو وضاحت کرکے حل کیا جا سکتا ہے وہ اکثر بڑی غلط فہمیوں کا باعث بنتے ہیں۔

گپ شپ اور غیبت جیسی لعنت بھی دوستی کو تباہ کرتی ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کے رشتوں میں دراڑ پیدا کرنے کے لیے جھوٹی خبریں پھیلاتے ہیں۔ اکثر، جو کچھ ہم کسی دوست کو کہتے سنتے ہیں وہ حقیقت میں نہیں کہا جاتا۔ لیکن جب ہم

اس کی سچائی کی چھان بین کیے بغیر ردعمل کا اظہار کرتے ہیں تو تعلقات اور بھی بگڑ جاتے ہیں۔ دوسروں کی باتوں کو سن کر کسی دوست کو پرکھنے کے بجائے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس سے براہ راست بات کی جائے اور صورت حال کو سمجھا جائے۔

غلط فہمیوں سے بچنے کا سب سے مؤثر طریقہ کھلی بات چیت ہے۔ اپنے ذہن میں شکوک وشبہات رکھنے کی بجائے ان سے کھل کر پوچھیں۔ اگر کوئی مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں بات کرنے کے لیے تیار رہیں۔ لیکن اگر آپ اس مسئلے کو ذہن میں رکھیں اور فاصلے بڑھا دیں تو یہ بعد میں ایک بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ باہمی اعتماد دوستی کی بنیاد ہے۔ جہاں اعتماد نہ ہو وہاں حقیقی دوستی قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لیے دوستوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے پر بھروسہ کریں اور شک کی گنجائش نہ رکھیں۔ سچی دوستی کا امتحان بحران کے وقت ہوتا ہے۔ دوستی کی اصل قدر تب معلوم ہوتی ہے جب کوئی ایسے وقت میں اعتماد کھوئے بغیر ساتھ کھڑا ہو جائے۔

تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو دوستی کی عظمت کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان دوستوں کی کہانیاں جنھوں نے مشکل وقت میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ دوستی برقرار رکھنے کے لیے صرف محبت ہی کافی نہیں ہے۔ صبر، تحمل اور باہمی افہام وتفہیم کی بھی ضرورت ہے۔ بعض اوقات دوست غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن جب ہمیں ان غلطیوں کو درست کرنے اور معاف کرنے کا موقع دیا جاتا ہے، تو یہ رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

آج کی مصروف زندگی میں بہت سے لوگ مخلص دوستی کھو رہے ہیں۔ اس صورت حال میں جہاں دوست ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے چکر میں سارے حدود پار کر رہے ہیں، وہیں سچے دوست تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔ لہٰذا، ہمیں اچھے دوست کی قدر کرنی چاہیے۔ ہمیں چھوٹے چھوٹے اختلافات یا غلط فہمیوں کی وجہ سے انھیں کھونا نہیں چاہیے۔ غصے کا ایک لمحہ کبھی کبھی برسوں کی دوستی کو تباہ کر سکتا ہے۔ لیکن صبر اور کھلی بات چیت کا ایک لمحہ بھی اس رشتے کو دوبارہ مضبوط بنا سکتا ہے۔

اگر غلط فہمیاں اور بڑھ جائیں تو کھوئی ہوئی دوستی کو دوبارہ حاصل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ بعد میں پرانے دوستوں کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ”کاش ہم اس وقت بات کر لیتے تو یہ رشتہ ختم نہ ہوتا۔“ اس لیے ضروری ہے کہ مسائل بڑھنے سے پہلے ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ دوستی تب مضبوط ہوتی ہے جب ہم شک کی بجائے اعتماد اور فاصلے کے بجائے بات چیت کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوستی زندگی کا انمول خزانہ ہے۔ یہ خوشی، سکون اور طاقت کا ذریعہ ہے۔ لیکن غلط فہمیاں اس مضبوط رشتے کو ختم کر سکتی ہیں۔ اس لیے ہمیں سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے سچ کی تلاش کرنی چاہیے۔ جب باہمی احترام اور اعتماد برقرار رہتا ہے تو دوستی غلط فہمیوں کو ختم کر کے زندگی کو مزید خوبصورت بنا سکتی ہے۔ ایسی دوستیاں انسان کی زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے میں اہم اور مثبت کردار ادا کرتی ہیں۔

■

Muhammed Sinan K
Markaz Garden , Poonoor
Unnikulam(PO)Poonoor
Calicut-673574 (Kerala)
Mob.: : 9037957342
mhsinankomath@gmail.com

جب باپو ہمارے اسکول آئے

محمد انیس الرحمٰن خان

صبح کی نرم سنہری دھوپ اسکول کے سبزہ زار پر موتیوں کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ رات کی اوس ابھی تک گھاس کی پتّیوں پر چمک رہی تھی۔ پرندے اپنی دھن میں چہچہا رہے تھے اور اسمبلی اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بچے اپنی اپنی قطاروں میں کھڑے قومی ترانہ گا چکے تھے اور دعا بھی ختم ہو چکی تھی کہ اچانک اسکول کے مرکزی دروازے کی طرف سب کی نظریں اٹھ گئیں۔

ایک دبلے پتلے بزرگ سفید کھادی کی دھوتی اور چادر اوڑھے، ہاتھ میں بانس کی لاٹھی لیے آہستہ آہستہ میدان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گول چشمہ، جھکی ہوئی کمر، روشن پیشانی اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے وہ برسوں سے ہر بچے کو جانتے ہوں۔ کچھ بچوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''یہ کون ہیں؟''

''کسی فلم کی شوٹنگ تو نہیں ہو رہی؟''

''نہیں ... یہ تو بالکل باپو جیسے لگ رہے ہیں!''

اتنے میں پرنسپل صاحب تیزی سے آگے بڑھے۔ انھوں نے احترام سے دونوں ہاتھ جوڑے اور مائیک سنبھالتے ہوئے کہا ''پیارے بچو! آج ہمارے اسکول میں ایک ایسے مہمان تشریف لائے ہیں جنھیں دنیا محبت سے باپو کہتی ہے۔ آیئے، ہم سب مل کر موہن داس کرم چند گاندھی کا استقبال کریں۔''

پورا میدان تالیوں سے گونج اٹھا۔

بزرگ نے ہاتھ جوڑ کر سب کو نمستے کیا۔

''میں تمھیں تقریر سنانے نہیں آیا''، انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا، ''میں تو صرف یہ دیکھنے آیا ہوں کہ آج کے بچے کیسے خواب دیکھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں اور اپنے ملک کے لیے کیا سوچتے ہیں۔''

یہ سنتے ہی اسمبلی ایک رسمی تقریب نہ رہی بلکہ بچوں اور باپو کے درمیان ایک خوش گوار ملاقات میں بدل گئی۔

سب سے پہلے شادان نے ہمت کی۔ وہ کلاس میں سب سے زیادہ سوال پوچھنے کے لیے مشہور تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھایا اور بولا ''باپو! کیا آپ بچپن سے ہی اتنے بہادر تھے؟''

اس کے برابر میں کھڑے شان الرحمٰن نے بھی بیتابی سے سر ہلایا۔ عارش کی آنکھوں میں تجسس تھا، حسان اپنی نوٹ بک سینے سے لگائے کھڑا تھا، اہان خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا، کشف مسکرا رہی تھی اور سب سے چھوٹی شمائلہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باپو کے قریب آ کر

زمین پر بیٹھ گئی، جیسے اپنے نانا ابو سے کہانی سننے آئی ہو۔

گاندھی جی سب کو دیکھ کر ہنس پڑے۔

''ارے بھئی! تم سب تو میرے دوست بن گئے ہو۔''

پھر انھوں نے شادان کی طرف دیکھ کر کہا:

''نہیں بیٹا، میں بچپن میں بالکل بہادر نہیں تھا۔''

شمائلہ نے حیرت سے پوچھا'' آپ بھی ڈرتے تھے؟''

گاندھی جی نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ہاں بیٹی! بہادر وہ نہیں ہوتا جسے کبھی ڈر نہ لگے، بلکہ بہادر وہ ہے جو ڈر کے باوجود صحیح راستہ اختیار کرے۔''

پورا میدان خاموش تھا۔ ہر بچہ محسوس کر رہا تھا کہ باپو صرف اس سے بات کر رہے ہیں۔

گاندھی جی نے آسمان کی طرف دیکھا، جیسے برسوں پرانی یادیں ان کے سامنے زندہ ہوگئی ہوں۔

''میں تمھیں اپنے بچپن کی کہانی سناتا ہوں۔ میرا نام موہن داس ہے۔''میں 2 اکتوبر 1869 کو گجرات کے خوبصورت ساحلی شہر پور بندر میں پیدا ہوا۔ میرے والد کرم چند گاندھی ریاست کے دیوان تھے، مگر ہمارے گھر میں دولت سے زیادہ عزت، دیانت اور سادگی کی قدر تھی۔''

''میری ماں پُتلی بائی نہایت عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔ وہ روز عبادت کرتیں، غریبوں کی مدد کرتیں اور ہمیں سکھاتیں کہ انسان کا سب سے قیمتی زیور اس کا کردار ہے۔''

کشف نے آہستہ سے پوچھا'' باپو! کیا آپ کی امی آپ کو کہانیاں بھی سناتی تھیں؟''

گاندھی جی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''ہاں، بہت سی۔ وہ راجا ہریش چندر کی سچائی کی کہانی سناتی تھیں اور شراون کمار کی والدین سے محبت کا قصہ بھی۔''

''میں جب یہ کہانیاں سنتا تو سوچتا کہ کیا واقعی کوئی انسان ہر حال میں سچ بول سکتا ہے؟ کیا کوئی اپنی تکلیف بھلا کر دوسروں کی خدمت کرسکتا ہے؟ بعد میں میں نے کوشش کی کہ اپنی زندگی میں انہی کہانیوں کو سچ کر کے دکھاؤں۔''

حسان نے فوراً سوال کیا:

''باپو! کیا آپ ہمیشہ کلاس میں اول آتے تھے؟''

گاندھی جی ہنس پڑے۔

''نہیں بھئی! میں نہ تو ہمیشہ اول آتا تھا اور نہ ہی کھیلوں کا چیمپئن تھا۔ میں بالکل تم لوگوں جیسا ایک عام طالب علم تھا۔ خاموشی سے اسکول جاتا، اور واپس آجاتا۔ نہ مجھے اپنی تعریف پسند تھی، نہ شور شرابہ۔''

گاندھی جی کچھ دیر خاموش رہے۔ تھوڑے وقفے کے بعد گویا ہوئے:

''میرے والد بیمار تھے۔ انھوں نے خط پڑھا، میری طرف دیکھا ... مگر انھوں نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ مارا۔ بس ان کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہنے لگے۔''

یہ کہتے ہوئے گاندھی جی کی آواز بھرّا گئی۔

ننھی شمائلہ نے آہستہ سے پوچھا:

''کیا آپ بھی روئے تھے؟''

گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''ہاں بیٹی! میں بھی رویا تھا۔ اس دن میں نے سمجھا کہ سچ بولنے سے کبھی کبھی آنکھوں میں آنسو ضرور آتے ہیں، مگر دل ہمیشہ ہلکا ہوجاتا ہے۔''

انھوں نے بچوں کی طرف دیکھ کر کہا:

''یاد رکھو، غلطی کرنا جرم نہیں، لیکن غلطی کو چھپانا انسان کو کمزور بنا دیتا ہے۔''

اب حسان نے اپنا سوال پوچھا:

''باپو! اگر آپ آج ہمارے ساتھ رہتے تو کیا موبائل استعمال کرتے؟''

یہ سنتے ہی سارے بچے ہنس پڑے۔

گاندھی جی بھی مسکرا دیے۔

''کیوں نہیں؟ اگر موبائل سے علم حاصل ہو، کسی کی مدد کی جاسکے یا دور بیٹھے عزیزوں کا حال پوچھا جاسکے تو یہ اچھی چیز ہے۔ لیکن اگر موبائل تم سے تمھارا وقت، تمھاری صحت، تمھاری کتابیں اور تمھارے دوست چھین لے تو پھر سوچنے کی ضرورت ہے کہ تم موبائل استعمال کر رہے ہو یا موبائل تمھیں استعمال کر رہا ہے۔''

شان الرحمٰن نے شرارت سے پوچھا:

''تو کیا ہم ویڈیو گیم نہ کھیلیں؟''

باپو ہنسے۔

''کھیلو ضرور، مگر صرف اسکرین پر نہیں۔''

پھر انھوں نے اسکول کے میدان کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کھلا آسمان، یہ درخت، یہ دوڑنا، کودنا، ہنسنا، پسینہ بہانا ... یہی تو بچپن کی اصل دولت ہے۔''

اسی دوران بچے باپو کے ساتھ اسکول کی لائبریری کی طرف بڑھے۔ انھوں نے ایک کتاب اٹھائی، اس کے ورق آہستہ سے پلٹے اور گہری سانس لی۔

''کتابوں کی بھی ایک خوشبو ہوتی ہے۔''

عارش نے حیرت سے پوچھا ''واقعی؟''

''ہاں، یہ خوشبو علم کی ہوتی ہے، خوابوں کی ہوتی ہے اور اچھا انسان بننے کی ہوتی ہے۔''

انھوں نے بچوں سے پوچھا:

''تم میں سے کتنے بچے روزانہ کتابیں پڑھتے ہیں؟''

کچھ ہی ہاتھ بلند ہوئے۔

گاندھی جی نے کسی کو ڈانٹا نہیں۔ صرف اتنا کہا:

''روز صرف 20 منٹ کتاب پڑھو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے الفاظ خوب صورت ہو جائیں گے، تمھارے خیالات وسیع ہو جائیں گے اور تمھارا دل دوسروں کے لیے نرم ہوتا جائے گا۔''

اب شاداں نے ہاتھ اٹھایا۔

''باپو! اگر کوئی ہمارا مذاق اڑائے یا جھگڑا کرے تو کیا کریں؟''

گاندھی جی نے اسے اپنے قریب بلایا۔

''بیٹا، غصہ آگ کی طرح ہے۔ اگر تم اسے اپنے ہاتھ میں پکڑو گے تو سب سے پہلے تمھارا اپنا ہاتھ جلے گا۔''

اس کے بعد باپو بچوں کے ساتھ اسکول کے باغ میں گئے۔ راستے میں انھیں چپس کا ایک خالی پیکٹ دکھائی دیا۔ انھوں نے جھک کر اسے اٹھایا اور ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

اہان نے فوراً کہا ''باپو! یہ تو صفائی والے انکل کا کام تھا۔''

گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''نہیں بیٹا، یہ ہم سب کا کام ہے۔''

انھوں نے بچوں کو باغ کی طرف لے جا کر کہا ''جس گھر سے محبت ہو، اسے گندا نہیں کیا جاتا۔ جس اسکول سے محبت ہو، اسے صاف رکھا جاتا ہے اور جس وطن سے محبت ہو، اس کی گلیاں، سڑکیں، دریا اور باغ بھی اپنے لگتے ہیں۔''

شمائلہ خاموشی سے ایک سوکھا ہوا پتہ اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈال آئی۔

گاندھی جی نے خوش ہو کر کہا ’’شاباش بیٹی! بڑی تبدیلی ہمیشہ ایسے ہی چھوٹے قدموں سے شروع ہوتی ہے۔‘‘

باغ کی نرم گھاس پر سب بچے باپو کے گرد بیٹھ گئے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور درختوں پر چڑیاں چہک رہی تھیں۔

اسی دوران عارش نے ایک سوال کیا ’’باپو! ہمارے ملک میں اتنی ساری زبانیں، مذاہب، لباس اور تہذیبیں ہیں۔ پھر بھی ہم سب ایک کیسے رہ سکتے ہیں؟‘‘

گاندھی جی نے قریب کھلے ہوئے پھولوں کی کیاری کی طرف اشارہ کیا۔

’’ذرا ان پھولوں کو دیکھو۔ یہ گلاب ہے، یہ گیندا، یہ چنبیلی اور یہ موگرا۔ اگر پورے باغ میں صرف ایک ہی قسم کا پھول ہوتا تو کیا یہ باغ اتنا خوبصورت لگتا؟‘‘

’’نہیں!‘‘ سب بچوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

گاندھی جی مسکرائے۔

’’بالکل ایسے ہی ہمارا ہندوستان بھی ایک خوبصورت باغ ہے۔ یہاں مختلف زبانیں بولنے والے، مختلف مذاہب کے ماننے والے اور الگ الگ ثقافتوں میں رہنے والے لوگ بستے ہیں۔ اگر ہم ایک دوسرے کا احترام کریں، ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوں تو یہی ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔‘‘

شان الرحمٰن نے آہستہ سے کہا:

’’یعنی فرق خوبصورتی ہے، دوری نہیں؟‘‘

’’بالکل!‘‘ باپو نے جواب دیا، ’’جو دوسروں کو قبول کرنا سیکھ لیتا ہے، وہی سچا ہندوستانی بنتا ہے۔‘‘

اسی وقت اہان نے ایک ننھے سے پودے کی طرف اشارہ کیا۔

’’باپو! آپ کو درخت اتنے پسند کیوں ہیں؟‘‘

گاندھی جی اس پودے کے پاس بیٹھ گئے۔

’’کیونکہ درخت ہمیں خاموشی سے جینا سکھاتے ہیں۔ یہ کبھی شور نہیں مچاتے، کبھی اپنی تعریف نہیں کرتے، مگر سایہ بھی دیتے ہیں، پھل بھی دیتے ہیں، ہوا بھی صاف کرتے ہیں اور پرندوں کو گھر بھی دیتے ہیں۔‘‘

انھوں نے سب بچوں سے کہا ’’اگر تم سب آج ایک ایک پودا لگانے کا وعدہ کرو تو شاید برسوں بعد کوئی مسافر اسی کے سائے میں بیٹھ کر تمھیں دعا دے۔‘‘

سارے بچوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا دیے۔

’’ہم وعدہ کرتے ہیں!‘‘

کامیابی کیا ہے؟

اب اسکول کی چھٹی کا وقت قریب تھا۔ حسان نے وہ سوال پوچھا جو شاید ہر بچے کے دل میں تھا۔

’’باپو! سب کہتے ہیں کہ زندگی میں کامیاب بنو۔ کامیابی آخر ہوتی کیا ہے؟‘‘

گاندھی جی چند لمحے خاموش رہے، پھر دھیرے سے بولے ’’اگر تم بہت دولت مند بن جاؤ، مگر جھوٹ بولو، دوسروں کو دھوکا دو اور کمزور لوگوں کا حق مارو، تو کیا تم واقعی کامیاب ہو؟‘‘

سب بچوں نے سر ہلا کر کہا ’’نہیں!‘‘

’’اور اگر تم ایک اچھے استاد، ایماندار ڈاکٹر، محنتی کسان، ذمہ دار سائنس دان، دیانتدار صحافی، فنکار یا مزدور بنو اور اپنے کام سے لوگوں کی زندگی بہتر بناؤ، تو کیا تم کامیاب نہیں ہوگے؟‘‘

’’ضرور ہوں گے!‘‘ شادان نے فوراً جواب دیا۔

گاندھی جی کی آنکھوں میں خوشی اتر آئی۔

''یاد رکھو، کامیابی کا مطلب صرف بڑا عہدہ یا زیادہ دولت نہیں۔ کامیابی کا مطلب ہے کہ لوگ تم پر اعتماد کریں اور تمھارے ہونے سے کسی کی زندگی آسان ہو جائے۔''

باپو کے سات تحفے

اب باپو نے اپنی لاٹھی زمین پر ٹیک دی اور کہا:

''جانے سے پہلے میں اپنے سات ننھے دوستوں کو سات تحفے دینا چاہتا ہوں۔''

سب بچے خوشی سے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

انھوں نے ایک ایک بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''شادان! تمھارے لیے پہلا تحفہ — ہمیشہ سوال پوچھتے رہنا، کیونکہ سوال علم کا دروازہ کھولتے ہیں۔''

شان الرحمٰن! تمھارے لیے دوسرا تحفہ — سچائی کو کبھی مت چھوڑنا، چاہے راستہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔

عارش! تمھارے لیے تیسرا تحفہ — ہر انسان کا احترام کرنا، کیونکہ عزت دینے والا ہمیشہ عزت پاتا ہے۔

کشف! تمھارے لیے چوتھا تحفہ — کتابوں سے دوستی کرنا، کیونکہ اچھی کتابیں بہترین استاد ہوتی ہیں۔

حسان! تمھارے لیے پانچواں تحفہ — محنت کو اپنی عادت بنانا، کیونکہ مسلسل کوشش انسان کو آگے لے جاتی ہے۔

''اہان! تمھارے لیے چھٹا تحفہ — درختوں، پرندوں اور فطرت سے محبت کرنا، کیونکہ زمین ہماری امانت ہے۔''

اور پھر انھوں نے ننھی شائلہ کو اپنی گود میں بٹھایا۔

''اور میری پیاری شائلہ! تمھارے لیے ساتواں اور سب سے قیمتی تحفہ — اپنی مسکراہٹ کبھی مت کھونا، کیونکہ ایک معصوم مسکراہٹ بھی دنیا کو خوبصورت بنا سکتی ہے۔''

الوداع، مگر ہمیشہ کے لیے نہیں

اسکول کی گھنٹی بج چکی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی اداسی گھل گئی۔

گاندھی جی آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ سارے بچے بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔

دروازے تک پہنچ کر ننھی شائلہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''باپو! آپ پھر کب آئیں گے؟''

گاندھی جی نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میں جب چاہوں تب آ جاؤں گا۔''

بچے حیران رہ گئے۔

''کیسے؟''

باپو نے مسکراتے ہوئے کہا:

''جب شادان سچ بولے گا، جب شان الرحمٰن کسی کمزور دوست کی مدد کرے گا، جب عارش کسی مختلف زبان بولنے والے بچے کو اپنا دوست بنائے گا، جب کشف کتاب کھول کر کوئی نئی بات سیکھے گی، جب حسان محنت سے اپنا کام پورا کرے گا، جب اہان ایک نیا پودا لگائے گا اور جب ننھی شائلہ اپنی معصوم مسکراہٹ سے کسی اداس چہرے پر خوشی لے آئے گی، تب سمجھ لینا کہ میں تمھارے ساتھ ہی ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے باپو نے دونوں ہاتھ جوڑے اور آہستہ آہستہ اسکول کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ بچے انھیں جاتے ہوئے دیر تک دیکھتے رہے، چند لمحوں میں وہ نظروں سے اوجل ہو گئے مگر ان کی باتیں اسکول کی فضا میں گونجتی رہیں۔

■

Mohd Anis ur Rahman Khan
Street No.: 6/6, Jogabai Ext.
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 7042293793
anis8june@gmail.com

انصار احمد معروفی

اکتوبر کے مختلف رنگ

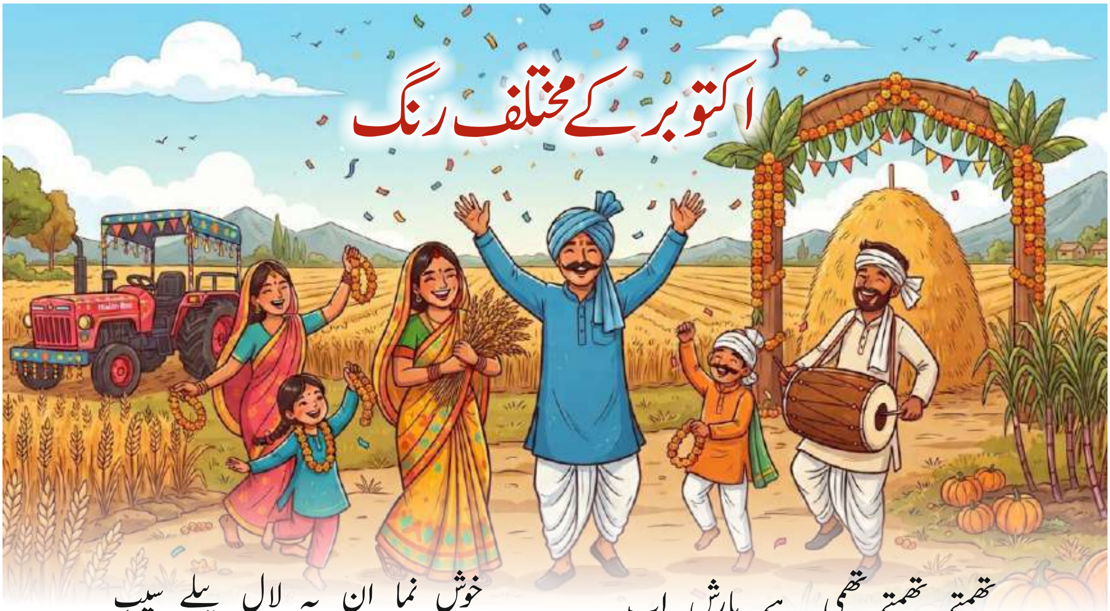

تھمتے تھمتے تھمی ہے بارش اب
پوری ہونے کو ہے نوازش اب
کھل گئے چہرے اب کسانوں کے
ان کے بوڑھوں کے اور جوانوں کے
نام اس ماہ کا ہے اکتوبر
اس میں جاڑے کھلتے ہیں کچھ در
پیدا اس میں ہوئے ہیں گاندھی جی
ویسا لیڈر کہاں ہوا کوئی؟
اس میں سرسید احمد آئے ہیں
جال تعلیم کے بچھائے ہیں
اس میں میلے ہیں اور ٹھیلے ہیں
اور ان پر لدے بھی کیلے ہیں

خوش نما ان پہ لال پیلے سیب
جسم وزنی کرو اور ہلکی جیب
اک طرف سرخ کچھ انار بھی ہیں
بکتے کچھ نقد، کچھ ادھار بھی ہیں
اس طرف بکتے کچھ سنگھاڑے ہیں
جو نہاکر ابھی بس آئے ہیں
زندگی گزری ان کی پانی میں
ان کو توڑا گیا جوانی میں
مونگ کی یہ پھلی ہے نکلی اب
موسمی پھل ہیں جتنے کھاؤ سب

■

ماخذ: یہ مہینے اور موسم، **مصنف:** انصار احمد معروفی
پہلی اشاعت: 2018
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

لوریاں

راحت مظاہری

(1)

چاند فلک پر نکلا ہے
نورِ خدا کا پہرا ہے
جس کو پریاں لوری دیں
ایسا کس کا بیٹا ہے؟
تجھ کو سُلانے آیا دیکھ !
بادِ صبا کا جھونکا ہے
لعلِ جگر ہے،میرا ثانی
بچہ نہیں اِک ہیرا ہے
شان ہمارے گلشن کی
پھول نہایت زیبا ہے
آج تو لوری لِکھّی ہے
قرض کسی دن سہرا ہے

(2)

نغمے سناتی، اَللہ ! اَللہ !
کوکتی راتوں کوئل ہے

شور سنا ہے، پھولوں میں
ذکر یہی ہے جھولوں میں
چاند نہانے آیا ہے
جھیل میں کیسی ہلچل ہے
نیند کہیں کیا اوجھل ہے؟
آنکھ بھی لگتی بوجھل ہے!

نغمے سناتی، اَللہ ! اَللہ !
کوکتی راتوں کوئل ہے

نغمے سناتی، اَللہ ! اَللہ !
کوکتی راتوں کوئل ہے

پھوٹ رہی ہے خوشبو سی
سانس میں تیری صندل ہے
پیڑ بڑا بن جائے گی
خواب کی اب جو کونپل ہے
گود میں سجاں اختر کی
نغمے سناتی، اَللہ ! اَللہ !
کوکتی راتوں کوئل ہے

ابرِ کرم کا بادَل ہے
ماہ جبیں کو دیکھو تو
آنکھ خوشی سے جل تھل ہے
نغمے سناتی، اَللہ ! اَللہ !
کوکتی راتوں کوئل ہے

■

Rahat Mazahri
3/18A-1, Street 8
Gurudwara Mohallah , Maujpur
Delhi - 110053
Mob.: 9891562005
rahatmazahiri@gmail.com

نظمیں

ماں کی آنکھ کے تارے بچے

عاکف سنبھلی

ننھے منے پیارے بچے
ماں کی آنکھ کے تارے بچے
سب کو اچھے لگتے ہیں یہ
سب کے من کو بھاتے ہیں یہ
ہنستے ہیں یہ، روتے ہیں یہ
بھولے بھالے ہوتے ہیں یہ
ماں بن ان کو چین کہاں ہے
ماں تو ان کا سارا جہاں ہے
کوئی بھی گرچہ بات نہ جانیں
لیکن ممی کو ہیں پہچانیں
ننھی منی جان ہیں یہ
ممی کا ارمان ہیں یہ

ممی ان کا ہاتھ پکڑ کر
ٹہلاتی ہیں دن میں اکثر
پھر ایسا بھی دن آئے گا
چلنا ان کو آجائے گا
بچے چاہیں ہوں جیسے بھی
ماں کی ممتا ان پر رہتی
عاکف کہتا سارے بچے
ماں کی آنکھ کے تارے بچے

■

Dr. Raza-Ur-Rahman Akif Sambhali
Kashana-e-Akif, Allama Iqbal Street
Miyan Sarai
Sambhal- 244302 (UP)
Mob.: 9837826809
akif.sambhali@gmail.com

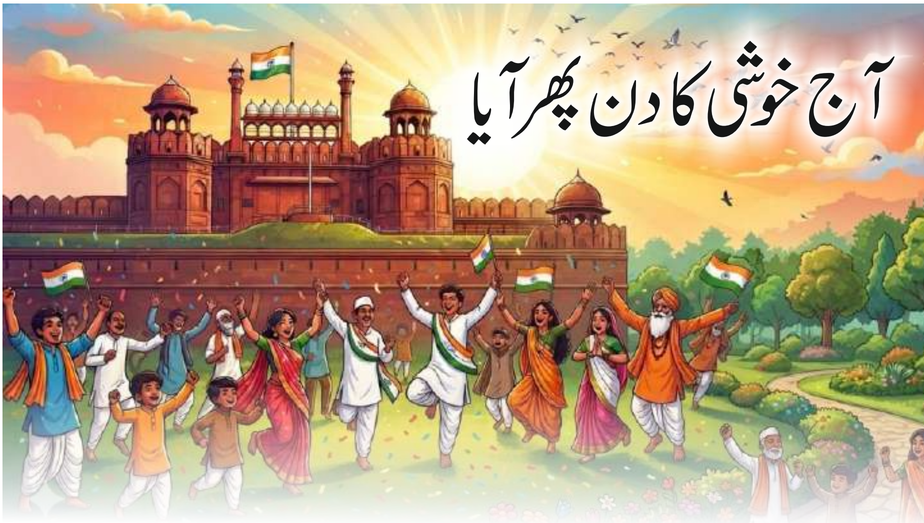

آج خوشی کا دن پھر آیا

خان حسنین عاقب

سورج نکلا، ہوا سویرا
ڈر کر بھاگا دور اندھیرا
پھولوں نے ہے یاد دلایا
آج خوشی کا دن پھر آیا
اس دن ملک آزاد ہوا تھا
ایک نیا پیغام ملا تھا
جتنے بھی تھے ہندوستانی
سب نے مل کر بات یہ ٹھانی
مل کے بھگائیں انگریزوں کو
دل کے کالے اِن گوروں کو
ہندو، مسلم، سِکھ ، عیسائی
سب نے مل کر قسم تھی کھائی
ساتھ جئیں گے ، ساتھ مریں گے
بھارت کو آزاد کریں گے
قسمت نے پھر پلٹا کھایا
انگریزوں کو مل کے بھگایا
پندرہ اگست کا دن وہ آیا
خوشیوں کی سوغات تھا لایا
نیا سویرا، نیا اجالا
ہم نے اپنا ملک سنبھالا
آج ہم اس کو یاد ہیں کرتے
اور اسی کا دم ہیں بھرتے
پیار کے سانچے میں ڈھلتا ہے
ملک محبت سے چلتا ہے
راہ محبت کی دھرتا ہے
ملک ترقی تب کرتا ہے
ہاتھ ملے ہیں، دل بھی ملائیں
مل کے رہیں گے، قسم یہ کھائیں
آؤ خوشی کے نغمے گائیں
آزادی کا جشن منائیں

■

Khan Hasnain Aaqib
Ghulam Nabi Azad College of Education
Distt.: Pusad- 445204 (Maharashtra)
Mob.: 9423541874
hasnainaaqib2@gmail.com

نظمیں

صبح

آئی دیکھو صبح سہانی
لے کے پھر سے رُت مستانی
صبح کی نکلی پہلی کرن
مست چلی ہے ٹھنڈی پون
ککڑوں کوں مرغ کی بولی
سن کر سب نے آنکھیں کھولی
چڑیا، کوئل، مینا، چہکے
رنگ رنگیلے پھول ہیں مہکے
سورج کی کرنوں کی چمک ہے
اوس کی بوندیں اور دھنک ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں
بادل، پنچھی، نیلا فلک ہے
صبح کے دلکش پیارے منظر
دل کو لبھائے نیارے منظر

■

Shamshunnisa Kiran
Door No: 3-5-35 A
Near Narayana School
Sri Satyasai District-515201 (Andhra Pradesh)
Mob.: 8500494611

معزالدین ماجد

میرا پیارا گدھا

پیارا پیارا میرا گدھا
سیدھا سادھا بھولا بھالا

دن بھر وہ ڈھوتا ہے بوجھا
میرا پیارا پیارا گدھا

کبھی نہیں وہ تھکتا ہے
ہر دم چلتا رہتا ہے

پھر بھی کوڑے کھاتا ہے
کھوٹی کھری بھی سنتا ہے

لیکن اُف نہیں کرتا ہے
اپنے آنسو پیتا ہے

لوگ مثالیں دیتے ہیں
تو گدھے کی ہی دیتے ہیں

کیونکہ بے حد سیدھا ہے
میرا پیارا گدھا ہے

■

Moizuddin Majid
52 B / 7 D, Wasiabad (Sadiyapur)
Prayagraj - 211016 (U.P.)
Mob.: 6393219690
E-mail: majid.allahabadi@gmail.com

جنت ہے ماں

ممتا کی دیوی ہے اور نعمت ہے ماں
اور سکون سایۂ الفت ہے ماں

اس کے دل کی دھڑکنوں میں جاں مری
جب اسے دیکھوں تو اک مدحت ہے ماں

پاؤں کے نیچے ہے جنت کی جھلک
ہم سبھوں کے واسطے جنت ہے ماں

میں کہیں جاؤں تو تڑپے اس کا دل
کس قدر ہمدرد ہے الفت ہے ماں

جب چلے اسکول کی جانب تو پھر
سر پہ سایہ دار اک شفقت ہے ماں

جب مجھے سوتے ہوئے دیکھے ہے وہ
سر کو سہلاتی ہوئی مدحت ہے ماں

ہے دعا میں اس کی طاقت بے شمار
رب کی نسبت سے ملی قسمت ہے ماں

میں کسی بھی حال میں ڈرتا نہیں
میرے دل کے واسطے ہمت ہے ماں

وہ لطافت اور سکونِ قلب ہے
راہی سب کے واسطے نعمت ہے ماں

■

Nazeer Rahi
31 Hiran Bari Lane
Kolkata - 700073 (West Bengal)
Mob.: 9831951871
nazeerrahi55@gmail.com

نیا چھاتا

احسان انور

سنو ممی سنو پاپا
مجھے لا دو نیا چھاتا
پرانا پھٹ چکا بالکل
رہا نا کام کا بالکل
لگے پیوند کئی اس میں
رہا باقی نہ کچھ اس میں
سبھی بچے چڑھاتے ہیں
پھٹا چھاتا بلاتے ہیں
مجھے اچھا نہیں لگتا
کوئی سچا نہیں لگتا
بہت میں نے کہا ان کو
چڑھاؤ تم نا یوں مجھ کو
مگر سنتا نہیں کوئی
کبھی ڈرتا نہیں کو
مرا پڑھنا ہوا مشکل
مرا لکھنا ہوا مشکل

شرارت بڑھ رہی ان کی
حماقت بڑھ رہی ان کی
پریشاں ہوں بہت اب تو
نیا چھاتا مجھے لا دو
سنا فریاد بیٹے کی
تو پاپا نے تسلی دی
تمھیں سہنا پڑا اتنا
برا مجھ کو لگا کتنا
سنو سب کام چھوڑو تم
چلو اب ساتھ میرے تم
تمھیں پھر سے ہنسا دوں میں
نیا چھاتا دلا دوں میں

■

Md. Ehsan Anwer
Dilawarpur Kali Tazia
Near Lalu Kirana Store,Ward No: 24
Munger-811201 (Bihar)
Mob.: 7836950098
me.anwer92@gmail.com

نذیر فتح پوری

ایک کہانی لالو کی

لالو نہ تو لالو خان تھا، نہ لالو پرساد۔ وہ صرف لالو تھا۔ فٹ پاتھ پر رہنے والے تمام لوگ اسے لالو کہہ کر ہی پکارتے تھے۔اس بے نام بستی میں لالو کا نام سب کو معلوم تھا۔

لالو کا باپ کون تھا؟ وہ کہاں پیدا ہوا تھا؟ اس کی ماں اسے کب یہاں لائی تھی؟ وہ کس دھرم سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ بات فٹ پاتھ پر رہنے والے کسی شخص کو بھی معلوم نہیں تھی۔خود لالو بھی یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا۔

لالو کے دل میں لوگوں کی خدمت کا جذبہ اس وقت اچانک پیدا ہوا تھا جب اس کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ ایک بار مشنری کے لوگ ڈاکٹروں کو لے کر وہاں آئے تھے اور تمام لوگوں کا معائنہ کیا تھا اور دوائیں بھی دی تھیں۔ لالو اپنی ماں کو وقت پر دوا دینے لگا تھا۔ جب دوا ختم ہوگئی تو لالو دوا کی پرچی دکھا کر ماں کے لیے دوا لے آیا تھا، لیکن اس کی ماں کو فائدہ نہیں ہوا اور وہ مرگئی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میت کا کیا کرے۔ سب لوگ آپس میں اسی مسئلے پر سوچ رہے تھے کہ مشنری والوں کی گاڑی آئی اور وہ میت اٹھا کر لے گئے۔ لالو دیکھتا رہ گیا۔اس کی ماں اس کے سامنے چلی گئی۔

ماں کے جانے کے بعد لالو اکیلا رہ گیا۔ یہ تو اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اب اس کی ماں واپس نہیں آئے گی، اسے اکیلا رہ کر ہی اپنی زندگی جینا ہے۔

ماں کی موت کے بعد لالو سب کی نگاہوں کا مرکز بن گیا تھا۔ 70 سال کے آمین بابا کو جب چائے کی طلب ہوتی تو وہ لالو کو آواز دے کر بلا لیتے۔ گلاس اور 5 روپے کے نوٹ اس کے حوالے کرتے اور کہتے:

ایک چائے میرے لیے لے آ، اور ایک چائے تو پی لے۔

چائے کا ٹھیلا ذرا فاصلے پر تھا۔ آمین بابا معذور تھے۔ ان کے دونوں پیر اس وقت ٹوٹ گئے تھے جب وہ کوئلے کی کان میں کام کرتے تھے۔ ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان پر کسی قسم کی گھریلو ذمے داری نہیں تھی۔ شروع شروع میں پیروں کا معاوضہ حاصل کرنے کے لیے انھوں نے کوشش کی لیکن حکومت کی طرف کوئی بات نہیں بنی تو مایوس ہوکر وہ فٹ پاتھ پر بسیرا کرنے لگے۔

فٹ پاتھ پر انھیں آسانی سے جگہ مل گئی۔ سب سے

پہلے رامو دادا نے ان کی مجبوری دیکھی تو فٹ پاتھ کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا جھونپڑا ان کے حوالے کر دیا۔

دوسرے دن رحمٰن بھائی وہاں آئے تو نیا جھونپڑا دیکھ کر آمین بابا سے ملاقات اور حال چال دریافت کرنے کی غرض سے جھونپڑے کے اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے آمین بابا کو خرچ کے کچھ روپے دیے۔

آمین بابا دوسرے فٹ پاتھیوں کی طرح بھیک مانگ کر اپنا گزارا کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ یہ بات جب انھوں نے رامو دادا کو بتائی تو انھوں نے ان کے لیے ایک وہیل چیئر کا انتظام کر دیا۔ دوسرے دن رحمٰن بھائی نے بچوں کے لیے کھانے کا کچھ سامان دلا کر قریب کے ایک اسکول کے سامنے انھیں جگہ دلا دی۔ یہاں رامو دادا اور رحمٰن دونوں کے حکم چلتے تھے۔ دونوں کے دلوں میں غریبوں اور مجبوروں کے لیے ہمدردی تھی، حالانکہ ان دونوں سے امیر لوگ ڈرتے تھے مگر ان کی زندگی کا دوسرا رخ بہت الگ تھا۔ وہ غریبوں کے مسیحا سمجھے جاتے تھے۔ فٹ پاتھ پر رہنے والوں پر ان کی خاص مہربانی تھی۔ یہاں بھکاریوں کی جھونپڑیاں زیادہ تھیں۔ ان میں کچھ چھوٹی موٹی غلطیاں بھی کرتے رہتے۔ کبھی کبھار انھیں سزا کے طور پر پولیس اٹھا لے جاتی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد رامو دادا اور رحمٰن بھائی انھیں پولیس سے چھڑا کر واپس لے آتے اور ڈانٹ ڈپٹ کر اسی جگہ رہنے کی اجازت دے دیتے۔

فٹ پاتھ پر ہر مذہب اور ذات کے لوگ مل جل کر رہتے تھے اور اُن میں لالو سب کا پیارا تھا۔

آمین بابا جب دن ڈھلے سامان بیچ کر واپس لوٹتے تو لالو ان کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ وہ دوڑ کر آمین بابا کو وہیل چیئر سے اتار کر جھونپڑے میں جانے کے لیے ان کی مدد کرتا اور پھر چیئر پر رکھا سامان بھی آمین بابا کے جھونپڑے میں لا کر رکھ دیتا۔ آمین بابا اس خدمت کے بدلے اسے روزانہ دس بیس روپے دے دیا کرتے تھے۔ اس طرح لالو زرینہ خالہ کی مدد بھی کرتا۔ وہ صبح صبح زرینہ خالہ کو ان کے جھونپڑے سے اٹھا کر فٹ پاتھ سے ذرا دور سڑک کے کنارے بٹھا آتا۔ زرینہ خالہ بھی دوپہر تک آتے جاتے راہ گیروں سے بھیک مانگتیں اور تین چار بجے کے بعد اپنے جھونپڑے پر آ جاتیں۔ لالو جس طرح انھیں صبح سڑک کے کنارے لے جاتا، اسی طرح واپس جھونپڑے میں لا کر چھوڑ دیتا۔ زرینہ خالہ اس پر زیادہ ہی مہربان تھیں۔ لالو کو دیکھ کر انھیں اپنے دس سالہ پوتے ببلو کی یاد آ جاتی جو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اپنے بیٹے اور بہو کی موت کے بعد زرینہ خالہ نے ہی اسے پال پوس کر بڑا کیا تھا۔ ایک حادثے میں وہ معذور ہوگئی تھیں۔ کوئی انھیں یہاں فٹ پاتھ پر لا کر چھوڑ گیا تھا۔ رامو دادا اور رحمٰن بھائی نے انھیں آسرا دیا۔ ان کے پیروں کا علاج کرانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ملی۔ تب سے زرینہ خالہ فٹ پاتھ کی ہو کر رہ گئی تھی۔ لالو تب سے ہی زرینہ خالہ کا لاڈلا بن گیا تھا۔

اسی طرح برجو بھیا بھی لالو کو بہت پسند کرتے تھے۔ برجو بھیا کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کسی حادثے میں خراب ہو چکے تھے۔ اس کے بھی آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ نہ جانے کیسے وہ فٹ پاتھ پر آ کر بس گئے تھے۔ برجو بھیا بیساکھی کے سہارے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے مجبور تھے۔ لالو ان کے

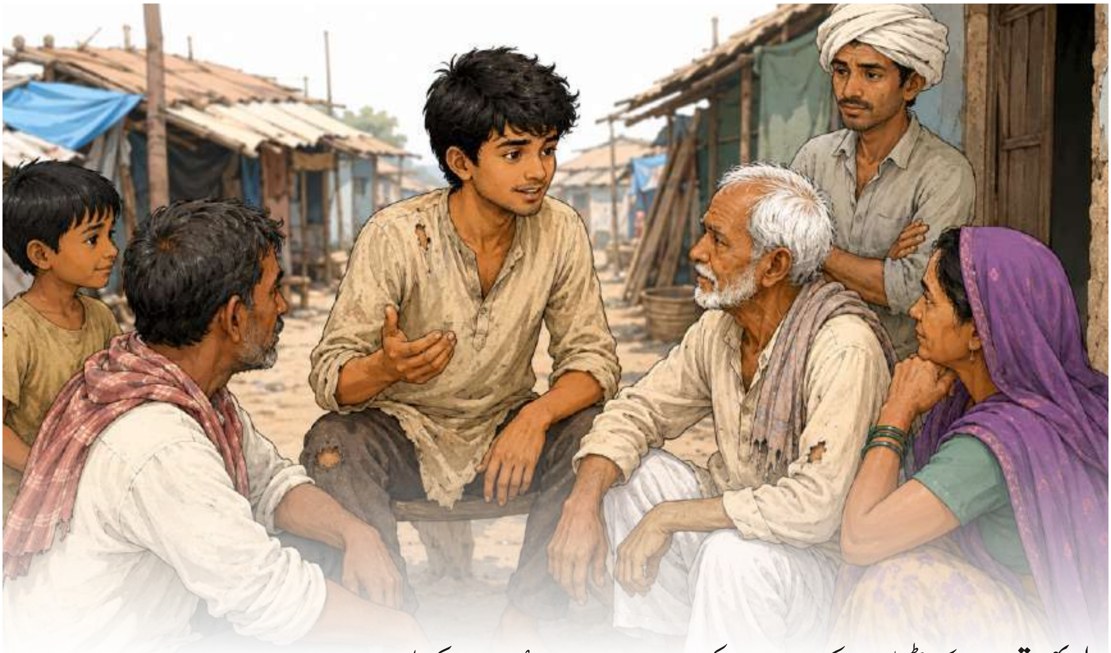

لیے بھی قریب کے ٹھیلے سے کھانے پینے کی چیزیں لا دیا کرتا تھا اور اس کے بدلے روزانہ چند روپے برجو بھیا بھی اس کی ہتھیلی کر رکھ دیا کرتا تھا۔

اس کالونی میں بہت سے ایسے مجبور لوگ تھے جن کی لالو بغیر کسی اجرت کے مدد کیا کرتا تھا۔ ان میں ایک 80 سالہ بزرگ تھے۔ سب انھیں باپو کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کم ملتے جلتے تھے۔ وہ خاموش طبیعت کے انسان تھے۔ وہ بھی صبح ہوتے ہی روزی کی تلاش میں نکل جاتے تھے۔ انھیں زیادہ کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ان کا ناشتہ اور دونوں وقت کے کھانے کے انتظام ان کے لیے کافی تھے۔ باپو چونکہ معذور نہیں تھے، اس لیے انھیں لالو کی ضرورت نہیں پڑتی، پھر بھی وہ اپنی عادت کے حساب سے باپو کا کچھ نہ کچھ کام کر ہی دیتا۔

فٹ پاتھ پر رہ کر بھی لالو نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا، اس کو اس کی محنت کا جتنا بھی صلہ ملتا، وہ اُسی پر صبر کر لیتا۔

رامو دادا نے آمین بابا اور برجو بھیا کے ساتھ ہی لالو کا بینک میں کھاتہ کھلوا دیا تھا۔ شام میں بینک کا آدمی آ کر جن جن کا کھاتہ تھا، ان سے رقم وصول کر لیتا اور بک میں انٹری کر کے بک ان کے حوالے کر دیتا۔

کافی دنوں بعد ’آپ کا چینل‘ کی طرف سے مجھے یہاں کے باشندوں پر کہانی بنانے کے لیے بھیجا گیا۔ جب میں صبح صبح وہاں پہنچا تو نکڑ پر مجھے ایک بورڈ نظر آیا۔

اس کے قریب ایک پندرہ سولہ برس کا لڑکا برش کر رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کرنا مناسب سمجھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے منھ سے برش نکال کر اپنا منھ صاف کیا۔ میں نے پوچھا۔ تمھارا کیا نام ہے۔

’’لالو۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’کون سا لالو، لالو خان یا لالو پرساد۔‘‘

’’نہیں، بس لالو، اسی نام سے یہاں کے لوگ مجھے

جانتے ہیں اور یہ میرے لیے کافی ہے۔"

"آج یہاں کے لوگ ابھی تک اپنے جھونپڑوں سے باہر نہیں آئے۔"

"یہاں اتوار کے دن سبھی لوگ آرام کرتے ہیں۔" لالو نے جواب دیا۔

پھر میرے سوال پر لالو نے مجھے یہاں کی پوری کہانی سنائی۔ پھر میں نے سوال کیا:

"رامو دادا اور رحمٰن بھائی کا یہاں کے لوگوں سے کیا تعلق ہے۔"

"وہ دونوں یہاں کے لوگوں پر مہربان ہیں۔" لالو نے بتایا۔

"کیا اس کے لیے وہ یہاں کے لوگوں سے کچھ معاوضہ بھی لیتے ہیں۔"

"جی نہیں، وقت پڑنے پر وہ اپنی طرف سے ہماری مدد کرتے ہیں۔" لالو نے جواب دیا۔

پھر اس نے بتایا کہ "رامو دادا اور رحمٰن بھائی نے میرے لیے ایک ٹیچر کا انتظام کیا ہے۔ وہ روز رات میں آ کر مجھے ایک گھنٹے ٹیوشن دیتے ہیں۔ اس سال میں میٹرک کا امتحان دینے والا ہوں۔"

میں نے پوچھا "آگے چل کر تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

"بس میرا ایک ہی سپنا ہے، میں آگے چل کر ان فٹ پاتھیوں کے لیے ایک چھوٹی سی بستی بسانا چاہتا ہوں۔"

پھر وہ بتانے لگا:

"میں اکیلا نہیں ہوں۔ رامو دادا اور رحمٰن بھائی میرے ساتھ ہیں۔ ایم ایل اے صاحب سے ہماری میٹنگ چل رہی ہے۔ انھوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔" لالو نے جواب دیا۔ میں نے کہا۔

"شہر کے بڑے بلڈروں سے بھی مدد مل سکتی ہے۔"

پھر میں نے بتایا:

"اور بہت سے ایسے ادارے ہیں جو غریبوں کی مدد کرتے ہیں، ان سے مل کر مدد لی جا سکتی ہے۔"

"جی ہاں، ہم نے ایک لسٹ تیار کی ہے۔ بس جگہ کا انتظام ہو جائے تو کام آسانی سے شروع ہو سکتا ہے۔ ایم ایل اے صاحب نے جگہ دلانے کا وعدہ کیا ہے۔ انھوں نے کاغذات بھی تیار کر لیے ہیں۔

میں نے پوچھا:

"کالونی کا نام کیا رکھنا چاہتے ہو؟"

"ہندو۔مسلم ایکتا کالونی" لالو نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

مجھے فٹ پاتھ پر پل کر بڑا ہونے والے لالو سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ لالو کی آنکھوں میں ایک نئے ہندوستان کا خواب نظر آیا۔

میں اپنے 'آپ کا چینل' کے ذریعے لالو کے خواب کو دنیا کے سامنے رکھوں گا۔ لالو سے ملنے کے بعد میری سوچ میں تبدیلی آئی ہے۔ مجھے دوسروں کے لیے جینے کا پیغام ملا ہے۔ میں بہت جلد 'آپ کا چینل' کے لیے دو اسٹوری بناؤں گا جس کا نام ہوگا "ایک کہانی لالو کی' اور دوسری کا نام "ہندو مسلم ایکتا کالونی"

■

Nazeer Fatehpuri
Saira Manzil
230/B/102 Viman Darshan
Sanjay Park Lohgaon Road
Pune - 411032 (Maharashtra)

نو پالی تھین

مبین نذیر

عادل دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھا۔ وہ کھانوں اور سیر و تفریح کا بے حد شوقین تھا۔ اس کے والد کی ایک دوکان تھی جس میں گاڑی کی بیٹریوں کا کاروبار ہوتا تھا۔ جب کہ والدہ ایک سیدھی سادی گھریلو خاتون تھیں۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی تو نہیں تھیں لیکن بچوں کی تعلیم و تربیت پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کے بچے پڑھ لکھ کر خوب نام کمائیں۔

عادل کی ایک بہن تھی رافعہ، جو گریجویشن کر رہی تھی، مگر تھی بالکل عادل کے الٹ۔ دبلی پتلی اور سیدھی سادی۔ وہ کھانے پینے سے زیادہ پڑھائی میں دلچسپی رکھتی تھی، البتہ فرصت کے اوقات میں نئے نئے پکوان بنانا اسے بھی پسند تھا۔ دوسری طرف عادل بہترین کھانے اور مہمان نوازی کے لیے مشہور تھا۔ اس کے دوست بھی اسی کی طرح کھانے پینے اور گھومنے ٹہلنے کے شوقین تھے۔ ہفتے میں کئی دن وہ رات کا کھانا دوستوں کے ساتھ مختلف ہوٹلوں میں کھاتا، مگر واپسی پر گھر والوں کے لیے پارسل لانا کبھی نہیں بھولتا تھا۔ کس ہوٹل کی کون سی ڈش لاجواب ہوتی ہے؟ کس جگہ آئس کریم کہاں اچھی ملتی ہے؟ کہاں کی چائے اچھی ہوتی ہے؟ یہ سب عادل کو اچھی طرح معلوم تھا۔

عادل کے پارسل کی وجہ سے رافعہ باہر کے کھانوں کی عادی ہو گئی تھی۔ اگرچہ وہ خود بھی بہترین کھانے بناتی تھی، مگر بھائی کے لائے ہوئے گرما گرم پارسل کا انتظار اسے بھی رہتا تھا۔ پھر اچانک ایک تبدیلی آئی۔ عادل کا معمول تو وہی تھا، لیکن پارسل آنا بند ہو گیا۔ شروع میں گھر والوں نے توجہ نہیں دی، مگر جب کئی ہفتے گزر گئے تو ایک دن امی نے پوچھ ہی لیا:

”بیٹا! کیا بات ہے؟ اب تم کھانوں کا پارسل نہیں لاتے؟ کوئی ناراضگی ہے کیا؟“

عادل نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا، ”نہیں امی! ایسی

کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل ہم دوستوں نے اب ہوٹل جانا کم کر دیا ہے؟''

''کیوں خیریت؟'' امی نے حیرت سے پوچھا۔

''امی! ہوٹل کا کھانا مہنگا تو ہے ہی، لیکن اصل وجہ کچھ اور ہے۔'' عادل سنجیدہ ہو گیا، ''ہمارے سائنس کے استاد نے پالی تھین میں گرم کھانا اور چائے لانے سے منع کر دیا ہے۔''

امی نے حیرانی سے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا، ''ارے بھلا تھیلی میں کھانا لانے سے کیا ہوتا ہے؟ برسوں سے پوری دنیا لا رہی ہے، کسی کو کچھ نہیں ہوا۔ یہ تمھارے استاذ نے نئی بات کیا بتا دی؟''

''امی! یہی تو بات ہے، جو چیز بظاہر فائدہ مند لگتی ہے، وہ اندر ہی اندر نقصان پہنچاتی ہے۔'' عادل نے کرسی کھسکا کر امی کے پاس بیٹھتے ہوئے بتانا شروع کیا، ''ایک دن جب اسکول کی کینٹین بند تھی، پریکٹیکل کے بعد ہم دوستوں نے ہوٹل سے چائے منگوائی۔ چائے پالی تھین کی تھیلی میں پیک تھی۔ ابھی ہم چائے پی ہی رہے تھے کہ سر وہاں آ گئے۔'' انھوں نے ہمیں بتایا کہ گرم چیزیں پالی تھین میں رکھنے سے پلاسٹک کے مضر اجزا کو کھانے اور پینے کے سامان میں منتقل کر سکتی ہیں، اسے لیچنگ کہا جاتا ہے۔

''اوہ!'' رافعہ بھی دلچسپی لے کر پاس آ گئی۔

''سر نے بھاپ اڑاتی چائے کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

''تم لوگ جو پی رہے ہو، اس میں صرف چائے نہیں ہے۔''

ہم سب حیرت سے ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ اس میں پلاسٹک کے انتہائی باریک ذرات بھی شامل ہیں۔

امی نے فکرمندی سے پوچھا، ''تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ پیٹ میں درد؟''

''نہیں امی! کاش! بات صرف پیٹ درد کی ہوتی''
یہ ذرات سلو پوائزن یعنی دھیما زہر ہیں۔ بعض تحقیقات کے مطابق ان سے مختلف بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ سر نے ہمیں کئی ویڈیوز دکھائیں کہ کس طرح پلاسٹک میں کھانا کھانے والوں کو بعد میں آنتوں اور جگر کی تکلیف ہوسکتی ہے۔ اسی لیے ہم نے ایسی تھیلیوں کا استعمال ترک کردیا۔''

عادل کی یہ باتیں سن کر امی سوچ میں پڑ گئیں؟ ان کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ایک گہری اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں:

''بیٹا ہم تو برسوں سے پلاسٹک استعمال کرتے آئے ہیں۔ کسی نے ایسا کچھ نہیں بتایا۔''

''امی! جدید تحقیق سے ہمیں یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ جیسے جیسے سائنس ترقی کرے گی مزید باتیں معلوم ہوں گی۔'' عادل نے کہا۔

''بیٹا! سچ کہتے ہیں کہ علم بڑی دولت ہے۔ آج مجھے اپنی کم علمی پر دکھ ہو رہا ہے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ پلاسٹک کتنا نقصان دہ ہے۔ یہ سب ہم انجانے میں کرتے رہے۔ شکر ہے کہ تم تعلیم حاصل کر رہے ہو اور تمھارے استاد نے تمھیں بروقت خبردار کر دیا، ورنہ نہ جانے کب تک ہم یہ غلطی کرتے رہتے۔''

عادل نے امی کا اداس چہرہ دیکھا تو فوراً بولا، ''امی! آپ فکر نہ کریں، سر نے کہا ہے کہ اب تک جو ہوا سو ہوا، اب احتیاط کرنی چاہیے۔ انھوں نے حل بھی بتایا ہے۔''

''کیا حل ہے؟'' امی نے جلدی سے پوچھا۔

''سر نے کہا ہے کہ ہم پرانے زمانے کی طرح دھات کے برتن، اسٹیل کے ٹفن یا کپڑے اور جوٹ کے تھیلے یا کاغذ کی بنی ہوئی تھیلیاں استعمال کریں۔ آئندہ میں کھانے کے سامان گھر کے برتنوں میں لایا کروں گا۔ میں نے اپنے محلے کے دوستوں کو بھی پلاسٹک کی تھیلیوں کے نقصان بتا دیے ہیں۔''

''بالکل! بالکل بھائی! آپ نے اچھا کیا'' رافعہ نے اپنے بھائی کی تائید کی۔ ''میں بھی آئندہ پلاسٹک کی تھیلیاں استعمال نہیں کروں گی اور اپنے کالج میں نو پالی تھین مہم شروع کروں گی۔''

امی نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دونوں کو گلے لگا لیا۔

اگلے دن عادل اسکول کے لیے نکلا تو اس کے ہاتھ میں ایک کپڑے کی تھیلی تھی جس میں اسٹیل کا ٹفن تھا۔ یہ تھیلی امی نے تیار کی تھی۔ رافعہ نے اپنی خوبصورت رائٹنگ میں اس پر ''نو پالی تھین'' لکھ دیا تھا۔

عادل نے امی سے پوچھا، ''یہ کس نے لکھا ہے؟ تو امی نے مسکراتی رافعہ کی جانب اشارہ کیا۔'' اس نے تھیلی کندھے پر ڈالی، پلٹ کر امی اور رافعہ کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے اسکول کی جانب چل پڑا۔ صبح کی سنہری کرنوں میں یوں لگتا تھا جیسے تھیلی پر لکھے ہوئے ''نو پالی تھین'' کے الفاظ بھی مسکرا رہے ہوں۔

■

Dr. Mubeen Nazeer
1392, Gulshan E Aaiesha,
Daal Wala Chowk, Momin Pura
Malegaon- 423203 (Maharashtra)
Dist. Nashik
Mob.: 8983152574
ansa.net42@gmail.com

ندا احمد

سونے کے ٹکڑے کا لالچ

لکڑی نما جھونپڑے میں سومو اکیلا رہتا تھا۔ ہمیشہ سے کاہل اور کام چور آدمی تھا۔ بس کھلی آنکھوں سے بیٹھے بٹھائے لکھ پتی بننے کے خواب دیکھتا اور آہیں بھرتا رہتا۔ اس کے اسی لالچ اور کاہلی کی وجہ سے اس کے بیوی بچے اسے چھوڑ گئے تھے۔ اس کے باوجود نہ اس کی سستی گئی اور نہ ہی لالچ۔

صرف بیٹھے بٹھائے نہ تو پیسے ہاتھ میں آتے ہیں اور نہ پیٹ بھرتا ہے۔ اس کے لیے کمانا پڑتا ہے۔ گھر میں راشن مٹھی بھر بھی نہیں بچا تھا۔ بھوک سے پیٹ میں اٹھتے مروڑ کی وجہ سے نا چاہتے ہوئے بھی سومو سستی چھوڑ کام کی تلاش میں نکل پڑا۔

گاؤں کے راستے سے ہوتے ہوئے اسے وہ کھیت نظر آیا جہاں ڈھیر سارے مزدور لگے کام کر رہے تھے۔ سومو بھی دِہاڑی پر لگ گیا۔ دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنا تھا، سو دھوپ گرمی کی پرواہ کیے بغیر وہ بھی کام میں لگ گیا۔

لوٹتے وقت گوپال کی کہی بات اس کے ذہن سے چمٹ گئی اور ساری رات اسے کلبلاتی رہی۔

”اڑتے اڑتے خبر موصول ہوئی کہ پاس کے گاؤں میں رہنے والے ایک آدمی کے پاس سونے کی پٹی (یعنی سونے کی بڑی ٹکڑی) موجود ہے۔ میرے جاننے والے نے بتایا۔“ سومو کی آنکھوں میں امڈتی چمک کو بھانپتے ہوئے گوپال کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

”کیا خیال ہے... اگر ہم چاہیں تو اس دیہاتی سے کافی سستے میں سونا نکلوا سکتے ہیں۔ تو پھر چلیں کسی دن سونا دیکھنے۔“

دھن کی لالچ تو اسے ہمیشہ سے تھی۔ وہ ایسے ہی کسی موقعے کی تلاش میں تھا۔ اس لیے گوپال کی باتیں وہ کھاٹ پر لیٹے ساری رات سوچتا رہا۔

”کیا مجھے اس کے ساتھ جا کے سونا دیکھ آنا چاہیے...“ دیکھنے میں کیا جاتا ہے۔ اگر اصلی ہوا تو میرے لکھ پتی بننے کا خواب پلک جھپکتے ہی پورا ہو جائے گا۔ ساری زندگی عیش میں گزرے گی۔“

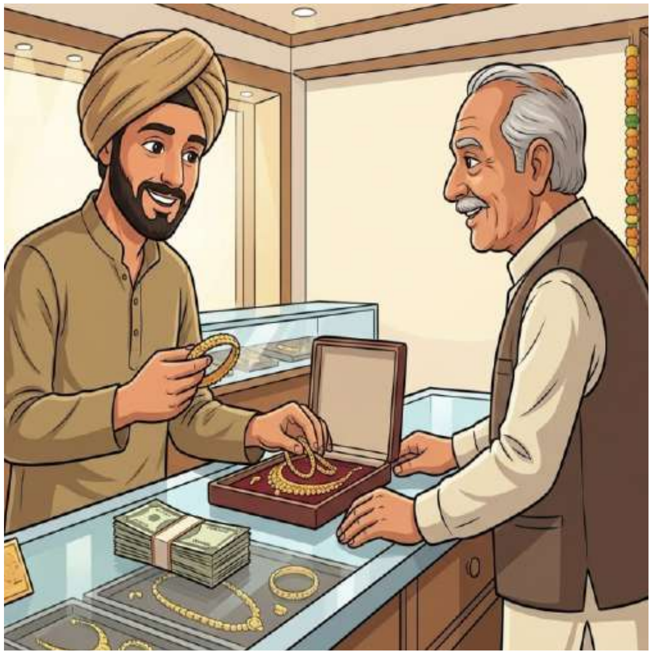

ہائے! یہ لالچ... پوری رات سومو یہی سب سوچ سوچ کر من ہی من خوش ہوتا رہا اور پھر صبح ہوتے ہی وہ نہار منھ گوپال کے پاس جا پہنچا۔ جب دوپہر تک ساری منصوبہ بندی کا تانا بانا مکمل ہوا تو وہ سرپٹ جنگل کی راہ ہو لیے۔

آم کے گھنے درخت تلے وہ تین آدمی موجود تھے۔ ایک طرف سومو اور گوپال دوسری جانب منوہر کھڑا تھا۔ ہوا میں سرسراہٹ اور پتوں کی کھڑکھڑاہٹ محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ سودے بازی کے لیے تیار تھے۔

لیکن کیا یہ سودمند ثابت ہوگا...؟ یہ بات وہ افراد (سومو اور گوپال) ہرگز نہیں جانتے تھے۔

کچھ دیر بعد منوہر نے اشارہ کیا تو فوراً اس کا ساتھی نکل کے سامنے آیا، جس کے ہاتھ میں میلے کپڑے میں لپٹا 'سونا' تھا۔ کافی وزنی اور بڑا۔ آنکھوں کی پتلی سکوڑ کے دیکھتے گھورتے وہ باتیں بنانے میں مگن تھے۔

سومو نے غور کیا۔ وہ گنوار آدمی کانپ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے سوال و جواب کرتا، آنکھیں پیلے سونے کی جھلک سے چندھیا گئیں۔ گوپال اسے ہتھیلی میں لیے جیسے وزن بھانپتے ہوئے بولا۔

''یہ ہمیں کیسے معلوم چلے گا کہ یہ 'کھرا سونا' ہے۔''

سومو نے بھی اپنے ہاتھ میں سونا لیے بہت ہی عقلمندی کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں... لینے سے پہلے ہمیں اس کے کھرے پن کی جانچ کروانی ہوگی۔''

اتنا سننا تھا کہ گنوار نے برجستہ سومو کے ہاتھ سے سونے کی پٹی جھپٹ لی۔

''نہ... ناں... ہم نہ دیو (نہیں نہیں ہم نہیں دیں گے)'' سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ چار قدم پیچھے ہوگیا۔ منوہر نے آگے بڑھ کر سمجھانا بھی چاہا، مگر وہ ضد پر اڑا ہی رہا۔ ایک انچ بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ نہ اپنی بات سے پھرا۔ ''پہلے پئیسا اوکے بادسونا (پہلے پیسہ اس کے بعد سونا)''

اس کی بات سن کر گوپال اور سومو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دیہاتی اتنا بھی بیوقوف نہ تھا جتنا انھوں نے اسے اس کے حلیے سے سمجھا تھا۔ کافی چالاک اور ہٹ دھرم قسم کا آدمی ثابت ہوا تھا۔

حالانکہ اس کے ساتھی منوہر نے بیچ کا راستہ نکالا۔ پورا سونے کا ٹکڑا تو نہیں، لیکن منکے بھر سونا وہ انھیں دینے کو تیار ہو گیا تھا۔

اگلے دن وہ خوشی خوشی جانچ کروا کے لوٹے تھے۔ تصدیق جو ہوگئی تھی۔ (اصل سونے کی) گوپال کے

جاننے والے سونار نے 'کھرا سونا' بتایا تھا۔

''بے فکر ہو جاؤ گوپال... 100 فیصدی کھرا سونا ہے۔ خواہ مخواہ کے شک وشکوک میں نہ پڑ۔'' کیا چمک لوٹ آئی تھی سونے کے کھرے ہونے کی خبر سے۔ لکھ پتی بننا جو طے ہو گیا تھا۔

''ہمارے تو بھاگ ہی کھل گئے۔ لاکھوں مال ملیں گے۔ پھر ساری غربت چھوٹ جائے گی۔ کوئی فکر نہیں۔ عیش ہی عیش ہوں گے۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ خوشی سے ناچ ہی پڑتے۔

سونے کی تصدیق ہو جانے کے بعد وہ دو افراد سے تین ہو گئے تھے۔ ایک ساہوکار بھی ان سے جا ملا تھا۔ سونے کے مول بھاؤ میں جو رقم ادا ہونی تھی وہ ساہوکار نے فراہم کیا تھا۔

ساہوکار سے لی ہوئی رقم دے کر وہ واپسی پر سونا لیے خوشی خوشی لوٹ رہے تھے۔ ٹکڑا کافی وزنی تھا۔

اگر عقل پر لالچ سوار نہ ہوئی تو وہ ضرور جان جاتے کہ یہ سونا نہیں اصل 'پیتل' ہے۔

جب سونار نے کہا تو مارے صدمے کی ان کی آنکھیں ابل پڑیں۔ ہکا بکا چہرہ لیے وہ کچھ دیر کچھ بول ہی نہ سکے اور جب لالچ کا خمار سر سے اترا تو سب سمجھ آ گیا۔

وہ دیہاتی کیوں کانپ رہا تھا تاکہ اس کا جھوٹ پکڑا نہ جائے۔

کیوں منوہر نے جانچ کے لیے الگ سے سونے کا ٹکڑا تھمایا تھا، تاکہ ان کی سازش ناکام نہ ہو اور ایسے آنکھ میں دھول جھونکا گویا وہ اسی پیتل کا ٹکڑا ہو۔

منکے بھر سونا دکھا کے وہ پیتل تھما گئے تھے۔ کہاں وہ ہزاروں تھما کے لاکھوں کمانا چاہتے تھے، لیکن اصل میں وہ دیہاتی ہی انھیں بیوقوف بنا گیا تھا۔

ایک سونے کے ٹکڑے کے لالچ نے انھیں برا پھنسا دیا تھا۔ لالچ میں ملا دھوکہ، صدمہ، ساہوکار کا قرض، سومو کو دن میں تارے دکھا گیا تھا اور لکھ پتی ہونے کا خواب ہمیشہ کے لیے چکنا چور ہو گیا تھا۔

■

Nida Ahmed
Ambikapur
Surguja - 497001 (Chhattisgarh)
Mob.: 9752232178
nidaf9149@gmail.com

جواب

1. 2 اکتوبر
2. موہن داس کرم چند گاندھی
3. ہندوستانی دانشور آریہ بھٹ نے
4. 40 انچ کا
5. 1825 (انگلینڈ)
6. ہاوڑہ جنکشن (مغربی بنگال)
7. 16 اپریل 1853 کو
8. گاجر
9. Doctorateof Medicine
10. اتر پردیش
11. راجستھان
12. District Magistrate
13. پرانی دہلی (لال قلعہ کے سامنے)
14. JEE
15. دہلی
16. 1854
17. جگر (Liver)
18. ہڈیوں کے گودے (Bone Marrow) میں
19. ٹینس
20. اسپین نے

حسین اور چیل

محمد رہبر عالم

اتوار کا دن تھا، اس لیے حسین کے اسکول کی چھٹی تھی، آج حسین صبح جلدی بیدار ہوگیا۔ عام طور پر وہ اسکول کے دن اٹھنے میں ٹال مٹول کرتا تھا، لیکن آج صبح آٹھ کر اس نے اتنا زیادہ شور ہنگامہ کیا کہ اس کے والد کی بھی آنکھ کھل گئی۔

حسین کے ہاتھ میں بیڈمنٹن تھا اور اکیلا ہی گھر کے اندر کھیل رہا تھا، کارک سے زیادہ گھر کی دوسری چیزوں کو بیڈمنٹن سے نشانہ بنا رہا تھا، دو بلب اب تک ٹوٹ چکے تھے، ڈر تھا کہ کہیں تیسرا بلب بھی نہ ٹوٹ جائے، چوتھا بلب نیم مردہ حالت میں تھا، اس لیے کارک کے ٹکرانے کے بعد بھی وہ اپنی جگہ ڈٹا ہوا تھا۔ حسین کارک اور بیڈمنٹن کے ساتھ کھیل میں اس قدر مگن تھا کہ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے شارٹ سے کون کون سی چیزوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس درمیان اس نے ایک ایسا زوردار شارٹ لگایا کہ اچانک کارک پنکھے میں جا پھنسا، ادھر ادھر دیکھا کچھ نہیں ملا تو اس نے پاؤں سے چپل نکالی اور پنکھا کا نشانہ لگا کر چپل کو پھینکا، چپل جا کر تار میں لگی، کارک تو گرنے سے رہا، تار ضرور ٹوٹ گیا، والدہ نے حسین کو تیز آواز میں ڈانٹا، آواز سن کر والد دوڑتے چلے آئے۔

کیا ہوا؟ کیسا ہنگامہ تم لوگوں نے گھر میں برپا کر رکھا ہے۔

صبح سے اس لڑکے نے ناک میں دم کر رکھا ہے، جس دن اسکول نہیں جاتا ہے اس دن اسی طرح گھر میں کہرام مچاتا ہے! والدہ نے غصہ سے کہا:

حسین والد کے ڈر سے دوسرے کمرہ میں چلا جاتا ہے، والد حسین کو آواز دیتے ہیں، وہ ڈرتے ہوئے آتا

ہے، اس کے دماغ میں کئی طرح کے خیالات آتے ہیں کہ اب تو خیر نہیں ہے، مگر اس کے والد اسے سمجھاتے ہوئے نرمی سے کہتے ہیں:

بیڈمنٹن تم نے کہاں رکھا ہے؟ جاؤ..... بیڈمنٹن لے کر آؤ..... اور میرے ساتھ چلو..... ہم آج لان میں بیڈمنٹن کھیلیں گے۔

حسین بیڈمنٹن لاتا ہے، والد صاحب پنکھا میں پھنسا کارک نکالتے ہیں اور دونوں لان پہنچ جاتے ہیں۔

سورج ابھی پوری طرح سے نکلا نہیں تھا مگر اس نے اپنی لالی بکھیر دی تھی، سردی کا موسم تھا، اس لیے یہ لالی من کو بھا رہی تھی، پرندے بھی سورج کے منتظر تھے، لان کے پھولوں کو سورج کی لالی نے بہت خوبصورت بنا دیا تھا، ننھے منے پرندے اِدھر اُدھر اچھل کود اور ڈالیوں پر جھوم جھوم کر شور مچا رہے تھے، بلبل کا تو امرود کے درخت پر گھونسلہ تھا، کوئل بھی کبھی کبھی آ کر کوکو کیا کرتی تھی۔

حسین اور والد صاحب بیڈمنٹن کھیلنے میں مگن ہوتے ہیں، والد صاحب کی تیز شارٹ کا دفاع کرنے میں حسین بار بار ناکام رہتا ہے، کبھی بیڈمنٹن کو زمین پر مار دیتا ہے تو کبھی اپنے پاؤں پر مار لیتا ہے، درمیان میں درخت کے زرد سوکھے پتے گرتے ہیں تو اس سے بھی حسین کی یکسوئی میں خلل پڑ جاتا ہے، دھیرے دھیرے سورج کی لالی ختم ہو رہی تھی، باپ بیٹے کو کھیلنے میں مزہ آ رہا تھا، حسین پسینہ سے شرابور ہو چکا تھا، تھکن کی وجہ سے بیچ بیچ میں وہ بیٹھ بھی جا رہا تھا، پھر والد صاحب کے کہنے پر کھیلنا شروع کر دیتا، اس کا دل اب نہیں لگ رہا تھا، بے دلی سے کھیل رہا تھا کہ اچانک بیڈمنٹن اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور ایک چھوٹی چڑیا کو جا لگا، چڑیا تڑپنے لگی، جب تک حسین اس کے قریب پہنچا وہ سرد پڑ چکی تھی، اس نے چڑیا کو ہاتھ میں اٹھایا اور فضا میں یہ سوچتے ہوئے اچھال دیا کہ وہ اڑ جائے گی، وہ اڑی نہیں، زمین پر آ گری، والد نے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا کہ اب یہ اڑے گی نہیں، یہ مر چکی ہے اسے پانی پلا کر دیکھتے ہیں، کہیں یہ پھر سے اڑنے لگے! حسین چڑیا کو لے کر گھر کے اندر گیا۔

اب یہ اڑ نہیں سکتی ہے! یہ مر چکی ہے، اسے باہر پھینک دو! والد نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا:

یہ مر چکی ہے تو اسے دفنا دیتے ہیں، نہیں تو کتے اسے کھا لیں گے، اسکول کے راستہ میں اکثر کتوں کو مردہ پرندوں کو کھاتے ہوئے دیکھتا ہوں! کہتے ہوئے حسین مردہ چڑیا کو دفنانے کے لیے لان میں چلا گیا، نیمبو کے درخت کے نیچے اس نے چڑیا کو دفنا دیا اور واپس آ کر والد سے پوچھنے لگا:

اسکول کے راستہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ پرندے روڈ کے کنارے مردہ پڑے ہوتے ہیں اور کتے ان کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہوتے ہیں! وہ پرندے کیوں مر جاتے ہیں! والد کی گود میں بیٹھتے ہوئے حسین نے کہا:

تمھارے ہاتھ میں مٹی لگی ہوئی ہے، پہلے اچھی طرح سے ہاتھ دھو کر اسے صاف کپڑے سے سکھا لو۔

اچھا ٹھیک ہے! ہاتھ صابن سے دھو کر آتا ہوں پھر آپ بتائیں گے نا، کہ پرندے روڈ پر کیوں مرے پڑے رہتے ہیں۔

ہاں.....ہاں..... تم ہاتھ اچھی طرح سے دھو لو! آج دن بھر تمھارے ساتھ رہوں گا! ہاتھ دھونے کے بعد حسین والد کی گود میں آ کر بیٹھ گیا۔

اب تو بتائیے، پرندے روڈ پر کیوں اس حالت میں پڑے رہتے ہیں، اس کے والد نے کہا کہ اس کے کئی اسباب ہیں جیسے پتنگ بازی، بجلی کا تار، موبائل ٹاور وغیرہ...

کیا آپ اسی پتنگ کی بات کر رہے ہیں جو سورج غروب ہونے سے پہلے آسمان کی لالی میں اٹکھیلیاں کر رہی ہوتی ہے! حسین نے تعجب سے پوچھا۔

ہاں.....ہاں..... وہی پتنگ جنھیں صبح، شام فضا میں اڑتے ہوئے دیکھتے ہو۔ وہ تو آسمان کو خوبصورت بنائے رہتے ہیں، ان پتنگوں سے پرندے کیسے ہلاک ہو جاتے ہیں! آپ جھوٹ بول رہے ہیں! پرندے پتنگ سے کیسے ہلاک ہوں گے۔ میرا بھی دل پتنگ اڑانے کا کرتا ہے، اسکول کے اکثر دوستوں کے پاس پتنگ اور چرخی ہے! میرے لیے بھی آپ چرخی خرید کر لا دیجیے! حسین نے والد سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

نہیں.....بیٹا..... پتنگ اڑانے سے تمھیں بچنا چاہیے..... نہیں تو تم بھی ان پرندوں کو نقصان پہنچانے والوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ والد نے سمجھاتے ہوئے کہا

ان پرندوں کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوگا۔

بیٹا، جان کر کوئی انھیں نقصان نہیں پہنچاتا ہے، اَن جانے میں ایسا ہو جاتا ہے۔ اس کے والد نے کہا۔

کیا پتنگ کے دھاگے کی وجہ سے اتنے پرندے ہلاک ہوتے ہیں!

ہاں... ہاں... اس کے علاوہ بجلی کا تار، موبائل ٹاور وغیرہ کی وجہ سے بھی پرندے ہلاک ہوتے ہیں۔

کل اسکول میں بھی ایک زخمی چیل تھا جسے گارڈ انکل پرنسپل سر کے پاس لے گئے، انھوں نے مرہم لگا کر اسے ایک ساگوان کے درخت پر بیٹھا دیا، شاید وہ بھی پتنگ کے دھاگہ سے زخمی ہوا ہوگا! والد نے جواب دیا۔

پتنگ اڑانے کی وجہ سے پرندے ہلاک ہوتے ہیں تو پھر لوگ پتنگ کیوں اڑاتے ہیں؟ انھیں پرندوں کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں آتا ہے، کیا پرندے خدا کی پیدا کردہ حسین مخلوق نہیں ہیں؟ حسین نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

پرندوں کی وجہ سے انسانوں کو بھی بہت سارے فائدے ہوتے ہیں، اگر پرندے نہ ہوں تو دنیا کی خوبصورتی میں کمی کے ساتھ ساتھ بہت ساری بیماریاں بھی جنم لے لیں گی۔

اس بات کو لوگ سمجھتے کیوں نہیں ہے! حسین نے والد سے پوچھا۔

لوگوں کے اندر بیداری کی کمی ہے جس کی وجہ سے لاپرواہی سے کام لے رہے ہیں۔ ہم نے اپنے دوستوں کو اسکول میں اکثر پتنگ اڑانے کے سلسلے میں بات کرتے دیکھا ہے، لگتا ہے انھیں اب تک یہ بات کسی نے نہیں بتائی ہے! میں انھیں ضرور بتاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ وہ بھی دوسروں کو اس سلسلہ میں بیدار کریں تا کہ ان خوبصورت پرندوں کو بچایا جا سکے۔ اگر پرندے ہیں تو یہ دنیا حسین اور خوبصورت ہے۔ یہ اگر نہیں رہیں گے تو دنیا کی خوبصورتی میں بھی کمی آجائے گی۔

■

Md. Rahbar Alam
K.B.C Inter School Gauchari Gogri
Khagaria- 851204 (Bihar)
Mob.: 8877656768
rahbar.khg@gmail.com

مضبوط حوصلہ

”ارے بھائی، کیا شاداب نگر اسی راستے میں پڑتا ہے؟“

سڑک پر چل رہے ایک نوجوان زبیر نے مڑ کر دیکھا۔ کار میں سوٹ پہنے ایک شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

”آپ غلط راستے پر آ گئے ہیں جناب، شاداب نگر تو کافی دور رہ گیا ہے۔ ہائی وے سے سیدھا آگے کو جانا ہوتا ہے آپ نے رونگ ٹرن لے لیا ہے۔“

”کیا یہاں سے کافی دور ہے؟“

”جی کافی دور ہے۔“

”مجھے قاضی فنکشن ہال جانا ہے کیا آپ مجھے راستہ سمجھا دیں گے؟“

”راستہ تھوڑا مشکل ہے، ویسے میرا گھر بھی اسی طرف ہے، آپ چاہیں تو میں آپ کو راستہ بتا سکتا ہوں۔“

”جی بہت اچھی بات ہے، آپ کی عنایت ہوگی“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

نوجوان گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

”آپ یہاں سے لیفٹ ٹرن لے لیجیے۔“ زبیر نے کہا۔

گاڑی چل پڑی تھی۔

”کیا کسی فنکشن میں جا رہے ہیں؟“

”جی ہاں ہمارے دور کے ایک رشتے دار ہیں، ان کے یہاں ولیمہ ہے، گھر کے بقیہ افراد پہلے ہی پہنچ چکے ہیں، میں تھوڑا لیٹ ہو گیا ہوں۔ اچھا ہوا آپ مل گئے نہیں تو مزید لیٹ ہو جاتا، آپ کا ایک بار پھر شکریہ!“

”شرمندہ کر رہے ہیں، شکریہ تو مجھے آپ کا کرنا چاہیے، ورنہ میں پتہ نہیں گھر کب پہنچتا۔“

”ایسا کیوں؟“

آفس سے نکلتے نکلتے اتنا لیٹ ہو گیا کہ بس چھوٹ گئی اور شام کے وقت یہاں ٹیکسی مشکل سے ہی ملتی ہے۔

”کون سے آفس میں آپ کام کرتے ہیں؟“

”جی ایف ٹی گارمنٹس کمپنی میں“

”اوہ... اجنبی نے مسکرادیا“ تو آپ اتنی دیر تک آفس میں کام کرتے ہیں؟

”نہیں جی، ویسے تو 6 بجے آفس سے نکل جاتا ہوں مگر آج کام کچھ زیادہ تھا، اس کو پورا کرنے میں تاخیر ہوگئی، ویسے یہ سب تو آئے دن ہوتا ہی رہتا ہے، اکثر ہی بس تک پہنچے میں دیر ہو جاتی ہے اور بس نکل جاتی ہے، اس صورت میں اس وقت تک لنگڑاتے ہوئے چلنا ہوتا ہے جب تک کوئی ٹیکسی وغیرہ نہیں ملتی، کیا کریں... تکلیف بھری زندگی ہے۔“

”سمجھ سکتا ہوں میں آپ کا درد، مگر آپ کو حوصلہ رکھنا چاہیے، مشکلات تو زندگی میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ انسان کو مضبوط حوصلے سے کام لینا چاہیے۔“

”ہاہا...“ نوجوان طنزاً ہلکا سا ہنس پڑا۔

''کیا ہوا آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں بس یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کہنا کتنا آسان ہے... بہت آسان ہے لوگوں کو صلاح دینا۔''

''نہیں بھائی میں کوئی تقریر نہیں کر رہا تھا بلکہ بس...''

''معاف کیجیے گا جناب۔'' زبیر نے اجنبی کی بات کاٹتے ہوئے کہا... ''بڑی معذرت سے آپ کو یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جس پر بیتتی ہے نا وہی جانتا ہے آپ کو کیا معلوم میری تکلیف کے بارے میں؟... کیا پتہ ہے آپ کو اس بیماری کے بارے میں؟ پولیو جب کسی کو ہوتا ہے تو سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے کیسے بدل جاتا ہے یہ میں نے دیکھا ہے، ہنستا کھیلتا صحت مند انسان اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کا پاؤں کمزور اور بے جان ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور وہ بے بسی کی زندگی جینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میں آپ کی طرح چل پھر نہیں سکتا، اچھل کود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بچپن سے میں یہ احساس محرومی لے کر بڑا ہوا ہوں اور آج بھی میری تکلیف ختم نہیں ہوئی ہے۔ روزانہ آفس کی لفٹ ہو یا سڑک پر ٹیکسی اسے بھاگ کر پکڑنے کی ناکام کوشش کرنی ہوتی ہے۔ ذرا دیر ہو جائے تو بس خالی آنکھوں سے دیکھتے رہو جیسا آج ہوا۔ ہر بار ٹیبل یا کرسی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ چلتے چلتے کبھی بھی گر جاتا ہوں؟ کیونکہ گھٹنا کبھی بھی اندر کی طرف مڑ جاتا ہے۔ آپ نے تو بڑی آسانی سے یہ سب کہہ دیا کہ حوصلہ رکھو مشکلات کا ڈٹ کر سامنا کرو، کیونکہ آپ نے تو یہ سب دیکھا نہیں ہے، پھر کیسے سمجھیں گے آپ میرا درد، اس تکلیف سے آپ گزرتے تو سمجھتے نا ویسے میں چاہوں گا بھی نہیں کہ ایسا کسی اور کے ساتھ ہو۔

زبیر بے حد جذباتی ہو گیا تھا۔

کار میں کچھ دیر خاموشی چھا گئی تھی۔

''معاف کیجیے گا اگر میری باتوں سے آپ کو تکلیف ہوئی ہو، میرا مقصد ہرگز آپ کی دل آزاری نہیں تھا میں تو بس''

''آپ گاڑی روک دیجیے'' زبیر نے غصے سے کہا۔

''ارے... کیوں کیا ہوا؟''

''میں نے کہا روکیے گاڑی!''

گاڑی رک گئی تھی، زبیر غصے سے اتر پڑا۔

''ارے بھائی آپ... بیٹھیے نا ہم بس پہنچنے کو ہیں؟''

''جی نہیں، شکریہ! مجھے کچھ ضروری کام یاد آ گیا ہے... آگے کا راستہ آپ کسی اور سے پوچھ لیجیے گا اور ہاں لفٹ کے لیے شکریہ!''

زبیر منھ ہی منھ نا جانے کیا بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

کار میں موجود شخص حیرانگی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

زبیر فائلوں میں الجھا ہوا تھا، کہ اچانک آفس میں ہلچل مچ گئی۔

ارے فراز کیا بات ہے، آفس میں اتنی سب ہلچل کیوں ہے؟

ارے بھائی، فراز نے سرگوشی میں کہا ''کمپنی کے مالک اشتیاق صاحب آج آفس آ رہے ہیں اسی کی تو تیاریاں شروع ہیں۔ تم ساری فائلیں تیار رکھنا، شاید سب چیک کریں گے۔

''ہاں وہ تو میں کر لوں گا... مگر یہ بتاؤ کیا وہ بہت سخت ہیں؟''

"پتہ نہیں یار، میں نے کبھی انھیں دیکھا نہیں، ہاں اتنا سنا ہے کہ وہ اصولوں کے بڑے پابند ہیں۔"

دوپہر کے وقت کار پورچ میں آ کر رکی، مینیجر صاحب نے آگے بڑھ کر اشتیاق صاحب کا خیر مقدم کیا۔

مگر زبیر کی حیرت کی انتہا نا رہی کیونکہ اشتیاق صاحب کوئی اور نہیں بلکہ یہ وہی ہیں جو اسے کل کار میں ملے تھے۔

اشتیاق صاحب نے تمام امپلائز کا شکریہ ادا کیا۔ اس دوران ان کی نظر زبیر پر جا کر ٹک گئی۔ زبیر نے نظریں جھکا لیں۔ اشتیاق صاحب نے مسکرا کر دیکھا اور پھر اسٹک پکڑے اپنے کیبن میں چلے گئے۔

"تو یہ ہیں اس کمپنی کے مالک... جن کے ساتھ میں نے کل اتنی بحث کر دی یا اللہ یہ میں نے کیا کر دیا"

تھوڑی ہی دیر بعد چپراسی نے آ کر زبیر کو اطلاع دی کہ بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"ہاں... آتا ہوں..." اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا اور شرمندگی سے سر جھکائے کیبن میں داخل ہوا۔

اشتیاق صاحب نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

زبیر چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا رہا کچھ کہا نہیں۔

اشتیاق صاحب خاموش مسکراہٹ سے زبیر کو دیکھ رہے تھے۔

"کیسے ہیں آپ زبیر صاحب؟"

زبیر شرمندگی سے پانی پانی ہوئے جا رہا تھا۔

اپنی بدتمیزی کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں جناب، براہ کرم مجھے نوکری سے نا نکالیں۔"

"تمھیں ایسا کیوں لگا کہ میں تمھیں نوکری سے نکال دوں گا۔"

"کل جو مجھ سے انجانے میں غلطی ہوئی، اس کے بعد اور کیا امید کر سکتا ہوں نتیجے کی۔"

اشتیاق صاحب بدستور مسکرا رہے تھے، نہیں زبیر صاحب میں نے آپ کا ورک چیک کیا ہے۔ بہت عمدہ کام کرتے ہیں آپ۔ پھر میں اپنے ایک اچھے ملازم کو کیسے نکال سکتا ہوں؟ جانتا ہوں کہ آپ مجھے نہیں جانتے تھے کیونکہ میں اپنی برانچ آفسز میں کم ہی جاتا ہوں۔ اپنے امپلائز پر مجھے پورا بھروسہ ہے۔ آج بھی شاید میں فنکشن اٹینڈ کر کے اپنے شہر واپس چلا جاتا مگر کل کچھ باتیں ادھوری رہ گئی تھیں جنھیں مکمل کرنا ضروری تھا...

زبیر خاموشی سے اشتیاق صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

ایک چھوٹا سا قصہ آپ کو سناتا ہوں:

ایک لڑکا تھا بہت ہونہار، پڑھائی میں اول نمبر اور فٹ بال کا چیمپئن، اپنے اسکول اور محلے کے بچوں کو یوں پل بھر میں ہرا دیتا، اس کا خواب تھا بڑے ہو کر فٹ بال کھلاڑی بننے کا، ایک دن اس کے اسکول میں فٹ بال کا بڑا ٹورنامنٹ تھا، دوسرے اسکولوں سے بھی بچے میچ کھیلنے آئے ہوئے تھے، زبردست میچ ہوا، اس دن اسے کچھ ہلکا سا بخار لگ رہا تھا باوجود اس کے لڑکے نے بہترین کھیل کا مظاہرہ کیا، اس نے گول بھی کیے، اور اس کی ٹیم جیت بھی گئی۔ سب بہت خوش ہوئے، بچہ گھر پہنچا تو بخار تیز ہو گیا رات تک حالت بہت بری ہو گئی اور پورا جسم اکڑ گیا۔ اگلے دن ڈاکٹر کو بتایا تو ڈاکٹر نے کہا کہ یہ عام سردی کا بخار نہیں ہے بلکہ یہ پولیو کا بخار ہے۔ آپ کے بچے کو پولیو ہوا ہے، یہ خبر اس کے ساتھ اس کے گھر اسکول اساتذہ سب کے لیے کسی صدمہ سے کم نا تھی۔ دھیرے دھیرے

بخار اترا، مگر پیر ہمیشہ کے لیے پیرالیٹک ہوگیا، اس کے فٹ بال کھلاڑی بننے کا سپنا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ اب وہی بچہ جو کل تک اسکول کے فٹ بال گراؤنڈ کی زینت تھا اب گراؤنڈ سے لگے بینچ پر بیٹھ کر بس بچوں کو کھیلتے دیکھا کرتا تھا، اپنے تمام ساتھیوں کو کھیلتے دیکھ کر ذرا تصور کریں کہ اس کے دل پر کیا بیتتی ہوگی۔

جانتے ہیں زبیر صاحب وہ بچہ کون تھا؟

نہیں زبیر نے نفی میں سر ہلا دیا

''وہ بچہ میں ہوں۔''

''کیا آپ...''

''ہاں میں... مجھے بھی آپ کی طرح ہی پولیو ہے میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں آپ کا درد سمجھ سکتا ہوں۔''

زبیر شرمندگی سے زمین کو دیکھ رہا تھا۔

میری بھی وہی حالت تھی جیسی آپ کی آج ہے۔ دکھ احساس کمتری، غم اور معذور ہوجانے کا صدمہ... میں چپکے چپکے رویا کرتا تھا۔ چپ چاپ گراونڈ میں بچوں کو کھیلتے دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن میرے ایک استاد جن کا میں چہیتا طالب علم تھا، مجھے اداس بیٹھا دیکھ میرے قریب آئے اور مجھے ایک ایسی بات سمجھائی کہ اس کے بعد میرے سوچنے کا نظریہ ہمیشہ کے لیے بدل گیا۔''

''کیا بات سر؟''

میرے استاد نے مجھے سمجھایا کہ خود کو اس طرح اکیلا سمجھنا بند کردو، تمھیں خود کو دیکھنے کے بجائے کہ تمھارے پاس کیا نہیں ہے یہ دیکھنا چاہیے کہ تمھارے پاس کیا ہے، اللہ میاں نے اگر تمھارے ایک پیر میں نقص رکھا ہے تو دوسری کتنی نعمتیں دی ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، کتنے لوگ ہیں جو دونوں پیروں سے معذور ہیں، کتنے لوگ ہیں جن کی آنکھیں نہیں ہیں، وہ دنیا کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو بیچارے اپنے کانوں سے سن نہیں سکتے، پھر بھی وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اس لیے زندگی میں جو بھی مصیبتیں آئیں، ہر حال میں پروردگار کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

بس تب سے میں نے رونا بند کردیا اور خوب پڑھائی کی، محنت کی، اس کا مجھے صلہ بھی ملا۔ میں آج ایک کمپنی کا مالک ہوں جس کے چرچے ہندوستان کے اندر اور باہر دونوں جگہ ہیں۔

ہمیں کبھی بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہیے زبیر صاحب کہ اللہ جس سے بہت محبت کرتا ہے، اس کی آزمائش بھی کرتا ہے۔

زبیر کی آنکھوں میں پچھتاوے کے آنسو جاری تھے، ''آپ درست کہتے ہیں سر! واقعی میں... میں غلطی پر تھا، صرف ایک کمی کے چلتے میں ہمیشہ خود کو کمتر اور بیکار سمجھتا رہا اور رب سے صرف شکایت کرتا رہا... آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری رہنمائی کی۔ ان شاء اللہ آج کے بعد سے میں کبھی اللہ کی ناشکری نہیں کروں گا بلکہ ان نعمتوں کی قدر کروں گا جو اس نے مجھے دی ہیں... زبیر کے لہجے میں واقعی کچھ کر دکھانے کا جذبہ تھا۔

■

Danish Ahmad
Pink Palace, Washim Road Bypass
City:Akola - 444002 (Maharshtra)
Mob.: 7720061250
danishahmed9784@gmail.com

قسط 1

ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی

ذکیہ مشہدی

مصور: غلام الدین

باتصویر کہانی

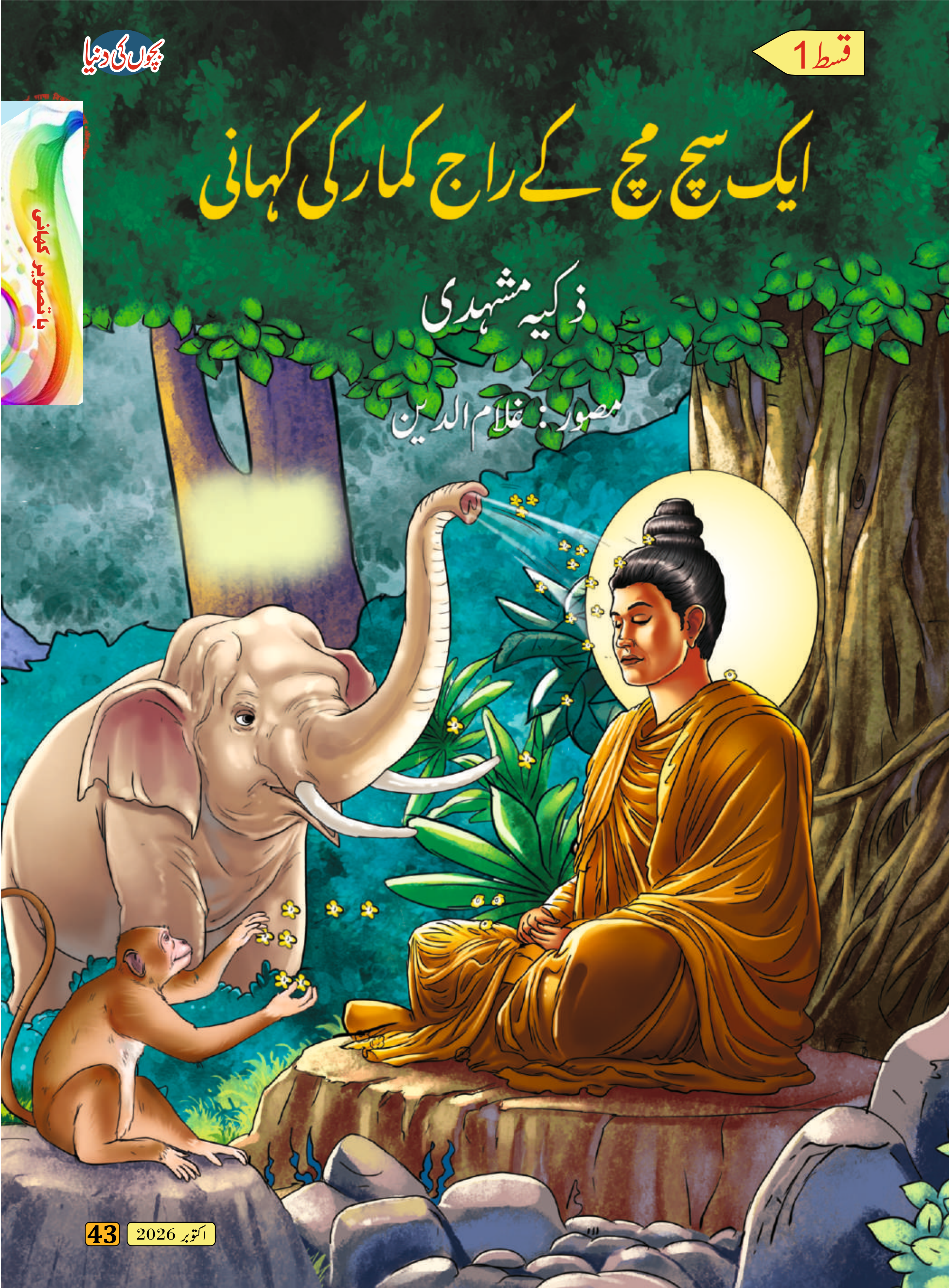

یہ سچ مچ کے راج کمار کی کہانی ہے، راج کمار کہیے یا شہزادہ۔ یعنی یہ نوجوان انسان ایک راجا کا بیٹا تھا جو سچ مچ اس دنیا میں رہا کرتا تھا۔ پتہ ہے یہ لوگ کس زمانے میں تھے؟ بہت پرانے زمانے میں۔ آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے۔ بلکہ سو برس اور بڑھا دیجیے۔ اس طرح تقریباً چھبیس سو سال پہلے۔

چلئے اب ان کا نام بتا ہی دیتے ہیں۔ ان کا نام تھا سدھارتھ گوتم۔ ان کے والد راجا شدّودھن تھے۔ ان کا تعلق جس قبیلے سے تھا وہ شاکیہ کہلاتا تھا۔ شاکیہ ایک جنگجو قبیلہ تھا جس کی عمل داری ہمالیہ کی ترائی میں تھی۔ یہ علاقہ آج ہندوستان اور نیپال کی سرحد پر ہے۔

اتنے زمانہ پہلے سرحدیں وہ نہیں تھیں جو آج ہیں۔

شاکیہ قبیلے کے افراد کے پاس زمین داری تھی۔ کچھ لوگ بیوپاری بھی تھے جو خاصے پیسے والے تھے۔ شدودھن ان کے راجا یا سردار تھے۔ ان کی ریاست کا نام کپل وستو تھا۔ کپل وستو کے مشرقی حصے میں لُمبنی نام کی جگہ تھی۔ شاہزادہ سدھارتھ وہیں پیدا ہوئے تھے۔ لمبنی آج عالمی قومی ورثہ قرار دیا جا چکا ہے۔ دنیا کے ایک بڑے مذہب کے پیروکاروں کے لیے یہ انتہائی متبرک مقام ہے۔ کیوں، یہ آپ آگے جانیں گے۔

راجا شدودھن کی رانی یعنی سدھارتھ گوتم کی ماں کا نام مہامایا تھا۔ ان کا تعلق بھی راج گھرانے سے تھا۔
راج کمار گوتم کی پیدائش کا وقت قریب آنے لگا تو رانی مہامایا نے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ آج بھی ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں پہلی اولاد کے پیدا ہونے کے وقت لڑکیاں اپنی ماں کے یہاں جاتی ہیں۔

مہامایا ٹھہریں رانی۔ اس لیے ساتھ میں نوکر چاکر، محافظ اور ملازم عورتیں، کئی لوگ تھے۔ رانی پالکی میں تھیں۔ اب اس زمانے میں موٹر گاڑیاں کہاں سے آتیں۔ جانور سواری کے کام آتے یا پھر کہار پالکی اُٹھا کر چلتے تھے۔

باقی آئندہ ......

محمد خلیل

پروفیسر بیربل ساہنی

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جو پودے آج زمین پر موجود ہیں کروڑوں سال قبل یہ نہیں تھے۔ اس دور کے حیوانات کی ہم جن ذرائع سے معلومات حاصل کرتے ہیں انھیں قدیمی نباتات یعنی پیلیو باٹنی کے علم سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر چٹانیں، جانداروں کے باقیات جو کروڑوں سال تک زمین میں دبے رہے اور اب ہمیں ان کی جانکاری اسی علم کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس کا پہلا تحقیقی مطالعہ کرنے والے ہندوستانی سائنسداں پروفیسر بیربل ساہنی تھے۔

زندہ نباتات کے مطالعے میں دلچسپی بیربل کو بچپن سے ہی تھی۔ جب ان کی عمر 8 سال تھی اور ان کے بھائی 2 سال چھوٹے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بیربل اپنے بھائی اور چھوٹی بہن کو لے کر نکل پڑے، ان کے ساتھ ٹین کے ایک یا دو خالی ڈبے بھی تھے، وہ کہاں جا رہے تھے انھیں معلوم نہ تھا۔ بغیر کسی کو بتائے وہ لوگ شہر سے دور جنگل میں پہنچ گئے اور ڈھلانی راستوں پر بڑھتے رہے۔ اس وقت تک جب تک ان کے درمیان نالہ نہیں آ گیا۔ وقت کے تیزی سے گزر جانے کا احساس اس وقت ہوا جب شام ہو چکی تھی اور تینوں بھائی بہن گھر کے لیے واپس مڑے۔ لیکن اب ان کا سفر چڑھنے کی جانب تھا اور وہ بیحد تھک گئے تھے۔ ساہنی بار بار بھائی بہنوں کو خراب راستہ پار کرنے میں مدد کرتے۔ رات ہو جانے سے وہ سب کے سب دیر رات تک گھر پہنچے۔ والد صاحب کی ڈانٹ کھانے کا خوف ان پر سوار تھا۔ غصے سے والد صاحب نے دریافت کیا کہ تم کہاں تھے اور بغیر اجازت اپنے بھائی بہن کو کہاں لے گئے تھے۔ بیربل نے نرمی کے ساتھ کہا 'کیکڑے پکڑنے'۔ ساہنی کا جواب سن کر ان کے والد خاموش ہو گئے۔ کیونکہ ان کے والد خود بھی سائنس کی دریافت میں دلچسپی رکھتے تھے۔

قدیمی نباتات (پیلیو باٹنی) کے بانی پروفیسر بیربل ساہنی کی پیدائش 14 نومبر 1891 میں مغربی پنجاب میں بھیڑا نامی قصبے میں ہوئی۔ ان کے والد علم کیمیا کے استاد تھے۔ اور قدرتی مطالعے میں ان کی بڑی دلچسپی تھی۔ بچپن میں چھٹیوں کے دنوں میں بیربل ساہنی اپنے والد کے ساتھ پہاڑوں پر گھومنے جاتے تھے۔ جہاں وہ پہاڑوں کے ٹکڑے اور چٹانوں میں دبے پودے جمع کرتے تھے، آہستہ آہستہ ساہنی کی دلچسپی نباتاتی سائنس اور زمینی سائنس میں بڑھتی گئی۔ لیکن اس کے برخلاف ساہنی کے والد کی یہ خواہش تھی کہ بیربل ساہنی ہندوستانی سول سروس کو اپنے پیشے کے طور پر اپنائیں۔

بیربل ساہنی نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے 1911 میں گریجویٹ کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد وہ برطانیہ چلے گئے۔ وہاں انھوں نے لندن یونیورسٹی سے ڈی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوستان واپس آنے پر بنارس ہندو یونیورسٹی میں نباتات کے شعبے میں پروفیسر ہوگئے۔ اس کے بعد 1920 میں پنجاب یونیورسٹی میں نباتات کے پروفیسر رہے۔ 1921 میں پروفیسر ساہنی نے لکھنؤ یونیورسٹی میں نباتات کے پروفیسر کا عہدہ سنبھالا۔ لندن میں انھوں نے مشہور ماہرِ نباتات کے سی سیورڈ کی سربراہی میں فرن کونی فر اور باقیاتی) فاسلس (پودوں پر تحقیق کا کام شروع کیا۔ آپ نے 1929 میں کیمبرج یونیورسٹی لندن سے سب سے پہلے ہندوستانی کی حیثیت سے ڈی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ 1936 میں پروفیسر ساہنی کو لندن کی رائل سوسائٹی کا رکن بنایا گیا۔

جنگلوں، پہاڑوں اور پریشانی والے مقامات میں پیڑ پودوں، جاندار اور باقیات (فاسلس) کی تلاش کی بچپن کی وہ عادت بیربل ساہنی میں زندگی کے آخری دنوں تک باقی رہی۔ اپنے تعلیمی کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود وہ پابندی سے بی ایس سی کی کلاسوں کو پڑھاتے تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ طالب علموں میں اچھی تہذیب پیدا کرنے کے لیے استادوں کو ایک حد تک کلاسوں کو سنبھالنا چاہیے۔ طالب علم بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ مشکل باتوں کو سمجھانے میں وہ کبھی غصہ نہیں کرتے تھے۔ طالب علموں کے خیال میں ان کے پڑھانے کا انداز نہایت آسان اور عمدہ تھا۔

ان کا اہم کام نباتاتی سائنس (پیلیو باٹنی) نباتاتی باقیات (فاسلس) میں تفصیل سے موجود ہے۔ جو اس وقت سائنس کی ایک بالکل نئی سائنسی شاخ تھی۔ سائنس کی اس شاخ کے مطالعے کے لیے اس زمانے میں پوری طرح آسانیاں بھی موجود نہیں تھیں۔ مثال کے طور پر چٹانوں کو کاٹنے کے لیے اوزار نہیں ملتے تھے۔ اس کے باوجود اس طرح کے کاموں کو بیربل ساہنی اپنی سخت محنت سے ہی انجام دے رہے تھے۔ ایسے اوزاروں کو انھوں نے اپنے پیسے سے خریدا۔ ان کی کوششوں سے پیڑ پودوں کے باقیات کی دریافت تفصیلی طور پر لوگوں کے سامنے آئی جس کے نتیجے میں نباتاتی باقیاتی سائنس کا ایک تحقیقی شعبہ بھی قائم ہوگیا۔ اس کے بعد 1946 میں بیربل ساہنی اور ان کی بیوی محترمہ ساوتری ساہنی نے اپنی کوششوں سے 'نباتاتی فاسلس سائنس سوسائٹی' قائم کی۔ اس کے ذریعے بعد میں نباتاتی باقیاتی سائنس کا مرکز لکھنؤ میں قائم ہوا، جس کے لیے وہ عرصے سے خواہشمند تھے۔ اس مرکز کے

قائم کرنے میں انھوں نے اپنا ذاتی سرمایہ بھی لگایا اور مختلف مقامات سے پودوں کے باقیات بھی لائے۔اس مرکز میں اس طرح ان کی بڑی تعداد جمع ہوگئی۔اس مرکز کی بنیاد پنڈت جواہر لال نہرو نے 3اپریل 1949 کو رکھی۔ اس کے ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ دنیا سے رحلت فرماگئے۔ ان کی اچانک موت سے دنیا کا ایک عظیم سائنسداں ہی نہیں بلکہ نباتاتی عالم اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ نوبل انعام یافتہ ڈاکٹرسی۔ وی رمن نے ایک موقعے پر کہا تھا کہ ڈاکٹر بیربل ساہنی انسانوں میں ایک ہیرے کی طرح تھے۔

ان کی موت کے بعد ان کی بیوی نے ان کے ادھورے کاموں کوجنھیں وہ چھوڑ گئے تھے پورا کرنے کی ذمے داری اٹھائی جسے کامیابی کے ساتھ انھوں نے پورا کیا۔ زندگی کے آخری دنوں تک اس میں مصروف رہیں۔ یہ مرکز اپنی طرح کا دنیا میں پہلا مرکز ہے جسے ہم 'بیربل ساہنی انسٹی ٹیوٹ آف پیلیو باٹنی' کے نام سے جانتے ہیں۔

اگرآپ غورکریں تواس نتیجے پرپہنچیں گے کہ قدیمی پودوں کے باقیات کی دریافت اور پہاڑوں وچٹانوں میں اس کی تلاش کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ سائنس کی ایک ایسی شاخ ہے جس میں کام کرنے کے لیے نباتاتی سائنس اورارضی (زمینی) سائنس، دونوں کی معلومات ہونا نہایت ضروری ہے اوراسے انجام دینا کوئی آسان کام نہ تھا،لیکن بیربل ساہنی مشکل سے مشکل کام کوبھی خوبی کے ساتھ کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔یہی وجہ تھی اس کام کوبھی انھوں نےممکن کردکھایا۔

بیربل ساہنی پہلے قدیمی نباتاتی ماہر تھے جس نے ہندستانی گوڈوانا فلورا کا مطالعہ کیا۔آپ بہار میں راج محل پہاڑیوں میں گئے۔ جہاں سے آپ کو بہت سے قدیمی پودوں کے فاسلس حاصل ہوئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ڈاکٹر ساہنی نے پودوں کے کئی نئے خاندانوں کی دریافت کی جن میں خاص طور پر راج مہیلیا، پیراڈورا، ہوموزائیلان، راج مہلنسے اور ولیم سونیا سیورڈ یانا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اس دریافت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قدیم اور موجودہ پودوں کے درمیان کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں، ان کے آپسی گہرے رشتوں کوسمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکٹر بیربل ساہنی نے جمنا سپرم، پنٹیوزائلی کے ایک نئے جھنڈ کی بھی دریافت کی جس کی وجہ سے پوری علمی دنیا کےلوگوں کی توجہ اپنی جانب کرلی۔آپ نے کچھ خاص خاص ذائیگو پیٹرڈفرن کی بناوٹ اورخصوصیات کا پتہ لگانے کا تفصیلی کام بھی انجام دیا۔ اس طرح مختلف قسموں کے ہندوستانی قدیمی پودوں کے فاسلس کی دریافت بھی انھی کے ذریعے انجام پائی جوتحقیق کے نظریے سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر بیربل ساہنی ایک بڑے عالمی شہرت یافتہ سائنسداں ہی نہیں تھے بلکہ ان کا شمار ایک قابل عزت استاد میں بھی ہوتا تھا۔اس کا اندازہ آپ اس سے کرسکتے ہیں، ایک مرتبہ آپ نے گریجویٹ کلاسوں کو پڑھانا چھوڑ دیا تھا اس سے طالب علموں میں بے چینی سی پیدا ہوگئی اور پھر وہ بہت کہنے پر دوبارہ پڑھانے کے لیے تیار ہوگئے۔ انھیں کم عمری میں عالمی شہرت اپنی تحقیق کی وجہ سے ملی اس سے ان میں ذرا

بھی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، وہ ایک مشہور ارضی سائنسداں بھی تھے۔ آپ نے نہایت معمولی آلات کے ذریعے کئی قدیم پودوں کی تفصیلی معلومات حاصل کیں اور یہ بھی بتایا کہ چٹانیں کتنی برس پرانی ہیں۔

وہ ایک اچھے آرٹسٹ تھے۔ قدیم ہندوستان میں سکے ڈھالنے کی تکنیک سے متعلق ان کے مطالعے پر انھیں ہندوستان کی نیومیز میٹک سوسائٹی نے 1944 میں نیلسن رائٹ میڈل سے نوازا۔ اس کے علاوہ بھی انھیں 1936 میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی جانب سے برکلے میڈل سے بھی نوازا گیا۔ آپ ہندوستانی سائنس اکیڈمی کے نائب صدر، چیف سکریٹری اور بعد میں صدر بنائے گئے۔ ان کے ذریعے قدیم نباتاتی سائنس ہمارے سامنے آئی اور اس کی ایک شاخ نباتاتی فاسلس کے ذریعے پیٹرولیم، کوئلے کے مطالعے میں بڑی مدد ملی ہے۔

پروفیسر ساہنی کا 10 اپریل 1949 کو دل کی حرکت رک جانے سے انتقال ہوگیا اور وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ذرا سوچیے، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک تنہا انسان اتنا سارا کام اس قدر گہرائی کے ساتھ اور پوری توجہ سے کر سکے۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے اہم سائنسی کاموں سے ہم اگر کچھ سیکھ سکیں تو یہ ان کے لیے ہماری بڑی عقیدت ہوگی۔

■

Mohammad Khalil
H-51 Batla House
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.................................... بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

Commonwealth Games 2026

سید پرویز قیصر

اسکاٹ لینڈ کے سب سے بڑے شہر گلاسگو میں ہوئے تیسویں دولت مشترکہ یعنی Commonwealth Games 2026 میں آسٹریلیا نے ایک مرتبہ پھر جیت حاصل کی۔ آسٹریلیا کے 257 کھلاڑیوں نے ان کھیلوں میں شرکت کی اور کل 257 تمغے جیتے جس میں 70 طلائی، 45 نقرئی اور 56 کانسے (برونز) کے شامل تھے۔

انگلینڈ نے جہاں جہاں حکومت کی یا جہاں اس کی اب حکومت ہے، دولت مشترکہ کے ممالک کہلاتے ہیں اور وہی ملک ان کھیلوں میں شرکت کرتے ہیں۔ اس مرتبہ دولت مشترکہ کھیلوں میں 74 ملکوں کے 2,711 کھلاڑی شریک ہوئے جنھوں نے 10 کھیلوں کے 215 ایونٹ میں شرکت کی۔ یہ مقابلے کل 7 اسٹیڈیم میں ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ آسٹریلیائی کھلاڑیوں نے ان کھیلوں میں شرکت کی اور سب سے زیادہ تمغے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس سے پہلے کسی اور دولت مشترکہ کھیلوں میں اتنے ممالک نے شرکت نہیں کی تھی۔ 2022 میں انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں ہوئے دولت مشترکہ کھیلوں میں 72 ملکوں کے 5,054 کھلاڑیوں نے شرکت کی تھی۔ یہ تعداد کسی بھی کھیل میں سب سے زیادہ ہے۔ پہلے کی بہ نسبت اس مرتبہ کھیلوں میں تعداد کم رہی، اس لحاظ سے کھلاڑیوں کی تعداد بھی کم رہی۔ 4 سال پہلے 20 کھیلوں کے مقابلے ہوئے تھے جب کہ اس مرتبہ اس سے آدھے یعنی صرف 10 کھیلوں کے مقابلے ہوئے۔

اس بار سب سے بڑا دستہ آسٹریلیا کا تھا، اس ملک کے 257 کھلاڑیوں نے شرکت کی۔ دوسرے نمبر پر انگلینڈ رہا، جس کے 204 کھلاڑی شریک ہوئے۔ تیسرے نمبر پر میزبان اسکاٹ لینڈ رہا جس کے 177 کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔ ہندوستان کے 126 کھلاڑیوں نے ان کھیلوں میں حصہ لیا۔

سب سے چھوٹا دستہ سینٹ لوسیا کا تھا۔ اس ملک کے محض تین کھلاڑی ہی شریک ہوئے۔ گابون کے تین، بلیز اور مونٹ سی رات کے پانچ۔ پانچ کھلاڑیوں نے شرکت کی۔

آسٹریلیا کے بعد سب سے زیادہ تمغہ انگلینڈ نے

جیتا۔اس کے کھلاڑیوں نے کل 110 تمغے جیتے جس میں 29 طلائی، 45 نقرئی اور 36 کانسے کے تمغے شامل تھے۔ کنیڈا کے 149 کھلاڑی ان کھیلوں میں شریک ہوئے اور کل 63 تمغہ لے کر وطن واپس گئے جس میں 19 طلائی، 21 نقرئی اور 23 کانسے کے تمغے شامل تھے۔ ہندوستان کے کھلاڑیوں نے 13 طلائی، 17 نقرئی اور 9 کانسے کے تمغے یعنی کل 39 تمغے جیتے اور چوتھے مقام پر رہے۔ میزبان اسکاٹ لینڈ کے کھلاڑیوں نے بھی کل 39 تمغے جیتے جس میں 13 طلائی، 9 نقرئی اور 17 کانسے کے تمغے شامل تھے۔تمغوں کی فہرست میں ان کا مقام پانچواں رہا۔

جن 74 ملکوں کے کھلاڑیوں نے ان کھیلوں میں شرکت کی اس میں سے 45 ملکوں کے کھلاڑی ایک نہ ایک تمغہ لے کر وطن واپس گئے جس میں سے 25 ملکوں کے کھلاڑی ایک طلائی تمغہ جیتنے میں کامیاب رہے۔

جنوبی افریقہ کے چاڈلی کلوز نے سب سے زیادہ تمغوں کا ریکارڈ قائم کیا

جنوبی افریقہ کے تیراک چاڈ لی کلوز دولت مشترکہ کھیلوں میں سب سے زیادہ تمغے جیتنے والے کھلاڑی بنے۔ پہلے دن وہ سب سے زیادہ تمغے جیتنے والی آسٹریلیا کی ایما میکون کا ریکارڈ برابر کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، ان کا بیسواں تمغہ نقرئی تمغہ تھا جو انھوں نے 400 میٹر میکسڈ میڈلے ریلے میں جیتا۔انھوں نے ان کھیلوں کے آخری دن 4x100 میٹر ریلے میں کانسے کا تمغہ جیتا اور دولت مشترکہ کھیلوں میں سب سے زیادہ تمغے جیتنے والے کھلاڑی بنے، انھوں نے ابھی تک جو 21 تمغے دولت مشترکہ کھیلوں میں جیتے ہیں اس میں سے 7 طلائی، 5 نقرئی اور 9 کانسے کے تمغے شامل ہیں۔ 400 میٹر میکسڈ میڈلے ریلے میں جس میں دو مرد اور دو خواتین تیراک شامل ہوتے ہیں، آسٹریلیا کو طلائی تمغہ حاصل ہوا تھا، جب کہ جنوبی افریقہ کی ٹیم نے 3:42.61 منٹ وقت لینے کے ساتھ افریقی ریکارڈ اپنے نام کیا۔اس ٹیم میں چاڈ لی کلوز شامل تھے۔یہ ان کا بیسواں تمغہ تھا۔اس کے ساتھ وہ 100×4 میٹر فری اسٹائل ریلے میں کانسہ کا تمغہ جیتنے کے بعد دولت مشترکہ میں سب سے زیادہ تمغے جیتنے والے مرد تیراک بنے تھے۔ مرد کھلاڑیوں میں تو چاڈ لی کلوز دولت مشترکہ کھیلوں میں سب سے زیادہ تمغے جیتنے والے کھلاڑی بن گئے تھے مگر مجموعی طور پر وہ دولت مشترکہ میں دوسرے سب سے زیادہ تمغہ جیتنے والے کھلاڑی بنے تھے۔اس سے پہلے یہ اعزاز آسٹریلیا کی خاتون تیراک ایما میکیون کے پاس ہے جنھوں نے 2014 اور 2022 کے درمیان 20 تمغے جیتے ہیں جس میں 14 طلائی، ایک نقرئی اور 5 کانسے کے تمغے شامل ہیں۔ یہ ریکارڈ چاڈ لی کلوز نے پہلے برابر کیا بعد میں اسے توڑ دیا تھا۔

چاڈ گے برٹرانڈ لی کلوز 12 اپریل 1992 کو ڈربن میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے پہلی مرتبہ نئی دہلی میں 2010 میں ہوئے دولت مشترکہ کھیلوں میں شرکت کی تھی، یہاں انھوں نے 5 تمغے جیتے تھے جس میں دو طائی، ایک نقری اور دو کانسے شامل تھے۔ 4 سال بعد جب یہ کھیل گاسگو میں ہوئے تو وہ دو طلائی، ایک نقرئی اور 4 کانسے کے تمغے یعنی کل 7 تمغے جیتنے میں کامیاب رہے تھے۔ 2018 میں وہ 3 طائی، ایک نقرئی اور ایک کانسے کے ساتھ 5 تمغے جیتنے میں کامیاب رہے تھے۔

دولت مشترکہ کھیلوں میں ان سے پہلے سب سے زیادہ تمغے جیتنے والے مرد کھلاڑی آسٹریلیا کے فلپ اڈمس اور انگلینڈ کے مائیکل گولٹ تھے۔ دونوں نے 18-18 تمغے حاصل کیے تھے۔ آسٹریلیا کے شوٹر نے 1982 اور 2002 کے درمیان جو 18 تمغے جیتے تھے اس میں 7 طلائی، 9 نقرئی اور 2 کانسہ کے تمغے شامل تھے۔ انگلینڈ کے شوٹر مائیکل گولٹ نے 1994 اور 2014 کے درمیان جو 18 تمغے جیتے تھے اس میں 9 طلائی، 4 نقرئی اور 5 کانسے شامل تھے۔

میرا بائی چانو کی دولت مشترکہ کھیلوں میں طلائی تمغوں کی ہیٹ ٹرک

دولت مشترکہ کھیلوں میں بہت کم کھلاڑی ہیں جنھوں نے لگاتار تین کھیلوں میں طلائی تمغے جیتے ہیں۔ ہندوستان کی ویٹ لفٹر میرا بائی چانو نے کل 190 کلوگرام وزن کے ساتھ طلائی تمغہ جیتا اور دولت مشترکہ کھیلوں میں اپنے تمغوں کی ہیٹ ٹرک مکمل کی۔ ان کا یہ وزن نیا ریکارڈ بھی ہے۔ انھوں نے اسنیچ میں 85 کلوگرام اور جرک میں 105 کلوگرام وزن اٹھایا۔ دونوں ہی وزن دولت مشترکہ کھیلوں کے نئے ریکارڈ ہیں۔ نائیجیریا کی رتھ نیونگ 168 کلوگرام وزن کے ساتھ دوسرے مقام پر رہیں جب کہ تیسرا مقام ملیشیا کی ارین جان ہنری کو ملا جنھوں نے کل 167 کلوگرام وزن اٹھایا۔

میرا بائی چانو سائیکھوم نے دولت مشترکہ کھیلوں میں پہلی مرتبہ 2014 میں شرکت کی تھی اور 170 کلوگرام وزن کے ساتھ نقرئی تمغہ جیتا تھا۔ ہندوستان کی خوموک چام سنجیتا نے 173 کلوگرام وزن کے ساتھ طلائی تمغہ جیتا

تھا۔ نائجیریا کی نکچی اوپارا 162 کلوگرام وزن کے ساتھ کانسے کا تمغہ جیتی تھی۔

منی پور سے تعلق رکھنے والی اس ویٹ لفٹر نے دولت مشترکہ میں پہلا طلائی تمغہ گولڈ کوسٹ میں کل 196 کلوگرام وزن اٹھا کر جیتا تھا۔ موریشس کی رویئلا رانائی وسووا 170 کلوگرام وزن کے ساتھ دوسرے مقام پر رہیں تھی۔ تیسرا مقام سری لنکا کی دینوشا گومس نے حاصل کیا تھا جو 155 کلوگرام وزن اٹھانے میں کامیاب رہی تھیں۔

برمنگھم میں 2022 میں ہوئے دولت مشترکہ کھیلوں میں مقابلہ 48 کلوگرام کے بجائے 46 کلوگرام کا ہوا تھا۔ اس میں میرا بائی چانو نے کل 201 کلوگرام وزن کے ساتھ طلائی تمغہ جیتا تھا جو ان کھیلوں میں اس زمرے میں سب سے زیادہ وزن کا ریکارڈ بھی ہے۔ انھوں نے کلین میں 88 کلوگرام وزن کے ساتھ نیا ریکارڈ بنایا تھا جب کہ جریک میں 113 کلوگرام وزن کے ساتھ وہ نیا ریکارڈ بنانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ موریشس کی رویئلا رانائی وسووا 172 کلوگرام وزن کے ساتھ دوسرے مقام پر رہیں تھی۔ کنیڈا کی ہاناہ کامنسکی 171 کلوگرام مجموعی وزن کے ساتھ کانسے کا تمغہ جیتنے میں کامیاب رہیں تھی۔

نوگپوک، کاکچنگ، منی پور میں 8 اگست 1994 کو پیدا ہونے والی میرا بائی چانو ہندوستان کی مشہور ویٹ لفٹر

دولت مشترکہ کھیلوں میں سب سے زیادہ تمغہ جیتنے والے ممالک

	ملک	طلائی	نقرئی	کانسہ	مجموعی
.1	آسٹریلیا	1071	879	823	2773
.2	انگلینڈ	802	828	802	2432
.3	کنیڈا	529	568	612	1709
.4	ہندوستان	215	207	180	602
.5	نیوزی لینڈ	189	246	308	743
.6	اسکاٹ لینڈ	145	145	244	541
.7	جنوبی افریقہ	144	143	157	444
.8	کینیا	94	84	92	270
.9	نائیجیریا	92	91	112	295
.10	ویلز	84	114	167	365

ہیں۔ یہ ٹوکیو میں 2020 میں ہوئے اولمپک کھیلوں میں نقرئی تمغہ جیتی تھیں۔ انھوں نے کل 202 کلوگرام وزن کے ساتھ یہ تمغہ اپنے نام کیا تھا۔ اولمپک کھیلوں میں 49 کلوگرام کے مقابلے ہوتے ہیں۔ اس مقابلے میں چین کی ہو زی ہوئی نے 210 کلوگرام مجموعی وزن کے ساتھ اولمپک ریکارڈ بناتے ہوئے طلائی تمغہ جیتا تھا۔ انڈونیشیا کی ونڈی کانتکا آئیسا 194 کلوگرام وزن کے ساتھ کانسے کی حقدار بنی تھیں۔

ٹوکیو اولمپک سے پہلے انھوں نے 2016 میں ریو اولمپک کھیلوں میں بھی شرکت کی تھی مگر جریک میں وہ تینوں کوششوں میں ناکام رہیں، جس کی وجہ سے انھیں کوئی تمغہ نہیں ملا تھا۔ پیرس میں 2016 میں ہوئے اولمپک کھیلوں میں انھوں نے کل 199 کلوگرام وزن اٹھایا تھا اور چوتھے مقام پر رہیں تھی۔ اس زمرے میں طلائی تمغہ چین کی ہوزی ہوئی نے کل 206 کلوگرام وزن کے ساتھ حاصل کیا تھا اور لگاتار دوسری مرتبہ طلائی تمغہ جیتنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ 205 کلوگرام وزن کے ساتھ رومانیہ کی می ہیلا کومبائی نقرئی تمغہ جیتنے میں کامیاب رہی تھیں جب کہ تیسرا مقام تھائی لینڈ کی سروڈ چانا کمباو کو ملا تھا۔ وہ کل 200 کلوگرام وزن اٹھانے میں کامیاب رہیں تھی۔

■

S. Pervez Qaiser
1407, Qasim Jan Street
Ballimaran
Delhi- 110006
Ph.: 011-43571508
sqaiser@hotmail.com

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نوعمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ (ادارہ)

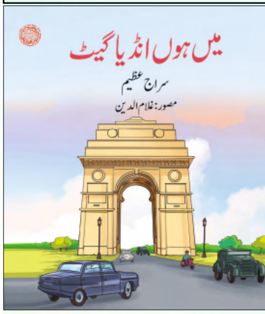

میں ہوں انڈیا گیٹ

مصنف: سراج عظیم

صفحات: 33، قیمت: 40 روپے، سنہ اشاعت: 2025

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: عبدالوارث، روم نمبر 31، برہمپترا ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی

میں جس انڈیا گیٹ کے بارے میں بات کررہا ہوں یہ ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں واقع ہے۔ اسے ایک قومی یادگار کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ یہ گیٹ برٹش ملٹری دوسری جنگ عظیم اور افغانستان سے جنگ کے دوران شہید ہونے والے ہندوستانی سپاہیوں کی یاد میں انھیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس کو آل انڈیا وار میموریل کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ عمارت لال اور بھورے رنگ کے پتھروں اور گرینائٹ سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس کی اونچائی 138 فٹ یعنی 42 میٹر ہے۔

'میں ہوں انڈیا گیٹ' سراج عظیم کی ایک معلومات افزا کہانی ہے، جس میں تین کرداروں؛ صفوان، اس کے ماموں اور انڈیا گیٹ (جو کہ ایک مشہور تاریخی مقام ہے لیکن یہاں اسے ایک کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے) کے ذریعے ہندوستان کے شہر دہلی میں واقع ایک معروف تاریخی مقام 'انڈیا گیٹ' کے متعلق کچھ بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ عام طور سے جب ہم کسی تاریخی عمارت یا مقام کی سیر کرتے ہیں تو ہم اس کی تاریخ سے آگاہ نہیں ہوتے اور اگر اس سفر میں ہمارے ساتھ بچے بھی ہوں تو وہ سوالات کے انبار لگا دیتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ وہ کیا ہے؟ وغیرہ۔ مذکورہ کہانی انہی سوالات کے جواب ہیں۔

'میں ہوں انڈیا گیٹ' میں ایک بچہ صفوان جو بنارس سے دہلی اپنے ماموں کے گھر آتا ہے، اپنے ماموں سے 'انڈیا گیٹ' گھومنے کی ضد کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے دوستوں سے انڈیا گیٹ کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی ہیں۔ وعدے کے مطابق ایک روز شام کے وقت اس کے ماموں اسے انڈیا گیٹ لے جاتے ہیں۔ وہاں وہ اپنے ماموں سے اس تاریخی مقام کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرتا ہے۔ اس کے ماموں ان سوالات کے جواب بھی دیتے ہیں لیکن کہانی کے درمیان میں انڈیا گیٹ ایک کردار کے روپ میں خود صفوان سے مخاطب ہوتا ہے اور اپنے متعلق کئی اہم اور دلچسپ حقائق سے اسے آگاہ کرتا ہے۔ وہ اپنے متعلق کہتا ہے:

''مجھے اس وقت کی برطانیہ حکومت کے ایک ادارے نے جو جنگ میں شہید سپاہیوں کی قبریں بناتا تھا، اس کے ذریعے تعمیر کیا گیا۔ میرا ڈیزائن اس وقت کے مشہور

آرکیٹکٹ سرایڈون لوٹینس (Sir Edwin Lutynes) نے تیار کیا ہے۔

آج میں انڈیا گیٹ کے نام سے جانا جاتا ہوں مگر تمھیں معلوم ہے میں پہلے ہندوستانی جنگی شہید یادگار All India War Memorial کے نام سے جانا جاتا تھا۔ میں جہاں ہوں، پہلے یہ راج پتھ یا کنگس وے (Kings Way) جواب کرتو یہ پتھ ہوگیا ہے۔'' (ص 12-13)

انڈیا گیٹ اور صفوان کے درمیان جو مکالمے ہوتے ہیں وہ مکالمے دلچسپ اور اہم ہونے کے ساتھ ہلکے پھلکے انداز میں بہت اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس مکالمے سے صفوان انڈیا گیٹ کی تعمیر کس نے اور کب کی؟ اس کی تعمیر کا مقصد کیا تھا؟ اس کا سنگ بنیاد کس نے اور کب رکھا؟ کتنے دنوں میں یہ بن کر تیار ہوا؟ اس کا افتتاح کب اور کس نے کیا؟ اس تاریخی عمارت کا حجم اور کل رقبہ کیا ہے؟ اور تعمیری مواد کہاں سے لایا گیا تھا؟ وغیرہ جیسے سوالات کے جواب جاننے میں کامیاب ہوتا ہے اور اس کا معصوم ذہن بہت حد تک مطمئن ہو جاتا ہے۔

اس نوع کی کہانیوں سے نہ صرف ہمارے بچے بلکہ بہت حد تک ہم بڑوں کی معلومات میں بھی بیش بہا اضافہ ہوتا ہے۔

میرے خیال میں ملک و بیرون کی تمام تاریخی عمارات ومقامات پر اس طرح کی کہانیاں قلم بند کرنے کی ضرورت ہے، جن سے نئی نسل خوب استفادہ کرے۔ یوم جمہوریہ کے موقعے پر 'انڈیا گیٹ' میں کس کس طرح پروگرامز کا اہتمام کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے اس کے متعلق کہانی کار رقمطراز ہے:

''اس کا افتتاح اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے 26 جنوری 1972 کو کیا تھا۔ جب سے ہر 26 جنوری کو یوم جمہوریہ پر ہمارے ملک کے وزیر اعظم اس یادگار امر جوان جیوتی پر پریڈ شروع ہونے سے پہلے وزیر دفاع اور فوج کی تینوں شاخوں کے سربراہان کے ساتھ نذرانہ عقیدت کے طور پھولوں کا گلدستہ پیش کرنے آتے ہیں۔ اس کے بعد کرتو یہ پتھ پر 26 جنوری کی پریڈ شروع ہوتی ہے۔'' (ص 23)

مختصر یہ کہ 'میں ہوں انڈیا گیٹ' ایک تصویری اور سبق آموز کہانی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک دلچسپ اور معلوماتی کہانی ہے۔ اس میں سراج عظیم نے بچوں کے ذہن ونفسیات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر انڈیا گیٹ کی کم وبیش تمام بنیادی تفصیلات کو پیش کیا ہے۔ اس طرح کی کہانیوں سے ہمارے بچوں کی فہم وفراست میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنی تاریخ، تہذیب وتمدن سے واقف بھی ہوتے ہیں۔ ادب اطفال کے حوالے سے سراج عظیم کا نام بہت نمایاں ہے۔ اس عمدہ تصنیف کے لیے محترم سراج عظیم اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کتاب کا سرورق اور کتاب میں موجود تصاویر بھی نہایت جاذب نظر ہیں۔ امید کرتا ہوں یہ کتاب نئی نسل کے لیے بہت ہی کارآمد ثابت ہوگی۔

■

Mr. Abdul Waris
Barhamputra Hostel
Room No: 31 Extension
New Delhi - 110067
Mob.: 8617332604
aabdul.waris1998@gmail.com

سید بدرالحسن

کب 'ن' کی آواز 'م' سے بدل جاتی ہے

عربی و فارسی الفاظ کے درمیان اگر (ب) سے قبل (ن) ساکن ہو تو (ن) کی آواز (م) سے بدل جاتی ہے۔ یہ اور واضح رہے کہ اردو یا ہندی کے الفاظ جن میں (م) کی آواز نکلتی ہے، ان کو (م) ہی سے لکھنا چاہیے۔

عربی یا فارسی الفاظ جن میں (ن) کی آواز (م) سے بدل جاتی ہے مع تلفظ و معانی درج ذیل ہیں:

اَنبار= اَم+ بَا+ ر= (ذ)= ڈھیر

اِنبِساط= اِم+ب+ سا+ ط= (ذ)= خوشی، مسرت۔

اَنبُوه= اَم+بُو+ ہ= (ذ)= مجمع، لوگوں کی بھیڑ۔

اَنبَہ= آم+ بَہ= (ذ)= آم۔

اَنبِیَا= اَم+ بِ+ یَا= (ذ)= نبی کی جمع۔

اِنبِسَاط= اِن+بِ+سَا+ ط= (ذ)= حاصل کرنا۔

استَنبُول= اِس+ تَم+ بُو+ل= (ذ)= ایک شہر کا نام۔

پَنبَہ= پَم+بَہ= (ذ)= روئی۔

تَنبُورَہ= تَم+بُو+رَہ= (ذ)= ایک قسم کا باجا۔

تَنبِیہ= تَم+بِی+ ہ= (ث)= آگاہ کرنا۔

جُنبِش= جُم+بِش= (ث)= حرکت۔

حَنبَل= حَم+بَل= (ذ) امام احمد بن حنبل۔

حَنبَلی= حَم+بَ+لِی= امام احمد بن حنبل کا متبع۔

دُنبَل= دُم+ بَل= (ذ)= پھوڑا۔

دُنبَہ= دُم+بَہ= (ذ)= ایک جانور، (بھیڑ کی قسم کا)

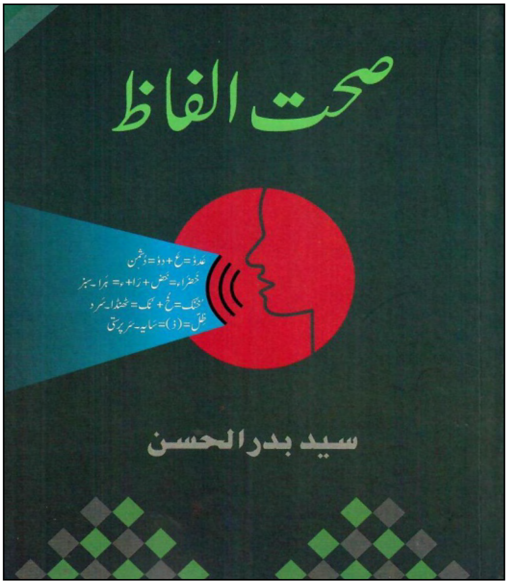

زَنبوُر= زَم+بوُ+ ر= (ث)= بھیڑ۔

زَنبِیل= زَم+بِی+ل= (ث)= جھولی۔

سُنبُل= سُم+بُل= (ث)= ایک قسم کی بیل۔

شَنبَہ= شم+بَہ= (ذ)= سنیچر، ہفتہ کا دن۔

عَنبَر= عَم+ بَر= (ذ)= ایک خوشبودار چیز۔

قَرَنبِیق= قَ+ رَم+ بِی+ق= (ذ)= عرق کشید کرنے کا آلہ۔

قَنبَر= قَم+بَر= (ذ)= حضرت علی کا غلام۔

گُنبَد= گُم+بَد= (ذ) برج۔

مُزَنبِی= مُ+زَم+بِی = (ث) = مُسَمَّی= مزنبیق کا ایک پھل۔

مُزَنبِیق= مُ+زَم+ بِی+ ق= (ذ)= افریقہ کے ایک ملک کا نام۔

مِنبَر= مِم+بَر= (ذ)= خطاب کرنے کے لیے اونچی جگہ۔

مَنبَع= مَم+بَع= (ذ)= نکلنے کی جگہ۔

■

ماخذ: صحت الفاظ: **مصنف:** سید بدرالحسن، **چھٹی طباعت:** 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔ (ادارہ)

1. گاندھی جینتی کس تاریخ کو منائی جاتی ہے؟
2. گاندھی جی کا پورا نام کیا ہے؟
3. صفر کا تصور اور استعمال سب سے پہلے کس نے پیش کیا؟
4. ایک میٹر کتنے انچ کا ہوتا ہے؟
5. دنیا کی پہلی مسافر ریل گاڑی کی شروعات کب اور کہاں ہوئی تھی؟
6. ہندوستان کے سب سے بڑے ریلوے اسٹیشن کا نام بتائیں؟
7. ہندوستان میں ریل کی شروعات کب ہوئی تھی؟
8. کون سی سبزی آنکھوں کی بینائی کے لیے سب سے اچھی ہوتی ہے؟
9. طب کے میدان میں MD کا فل فارم بتائیں؟
10. ہندوستان میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبے کا کیا نام ہے؟
11. رقبے کے لحاظ سے ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے کا نام بتائیں؟
12. DM کا فل فارم کیا ہوتا ہے؟
13. چاندنی چوک دہلی کے کس حصے میں آباد ہے؟
14. انجینئرنگ کے لیے کون سا ٹیسٹ پاس کرنا ہوتا ہے؟
15. CBSE کا صدر دفتر کہاں ہے؟
16. پہلا باقاعدہ ڈاک ٹکٹ کب جاری کیا گیا تھا؟
17. انسانی جسم کا سب سے بڑا غدود (Gland) کون سا ہے؟
18. سرخ خون کے خلیات (RBCs) کہاں بنتے ہیں؟
19. ماریہ شاراپووا کا تعلق کس کھیل سے ہے؟
20. فیفا ورلڈ کپ 2026 کس ٹیم نے جیتا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 35 پر ملاحظہ فرمائیں)

ذکیہ بانو ایل حکیم، درجہ ہفتم، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پورہ، کرناٹک

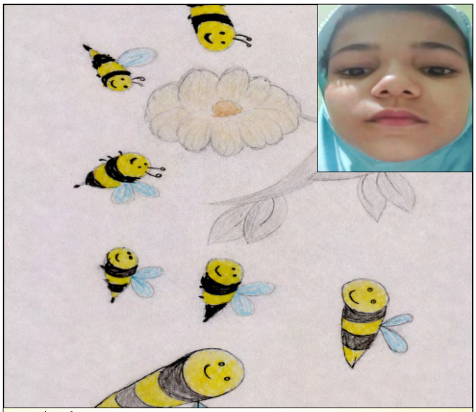

شارقہ معبود چودھری، درجہ چہارم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

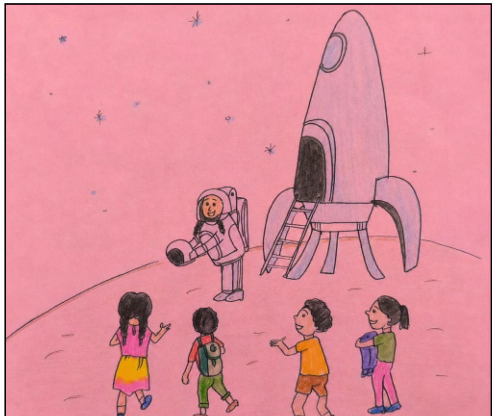

حمزہ عبدالاول چودھری، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ مہاراشٹر

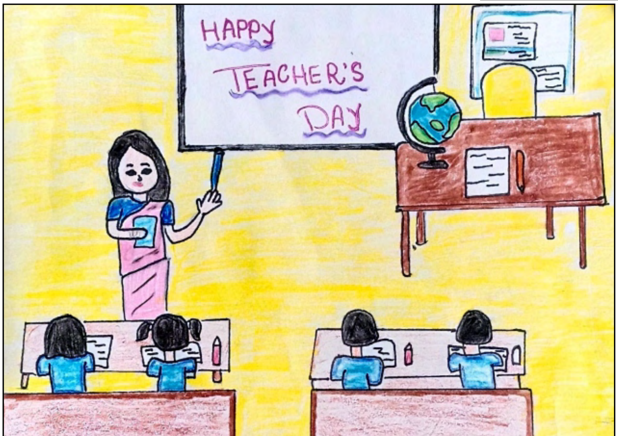

علینہ عرشین، درجہ ششم، راجیو گاندھی اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

عمران اواطی، درجہ ہفتم، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پورہ، کرناٹک

یوسف شفیع محمد خان، درجہ چہارم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

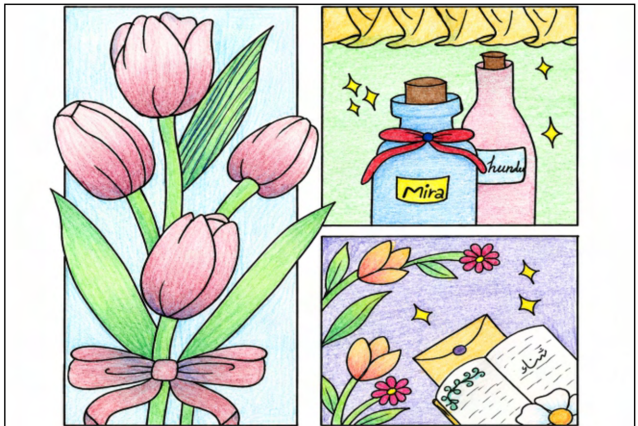

ثنا پروین، درجہ دہم، داؤد میموریل اردو گرلز ہائی اسکول، سیوان، بہار

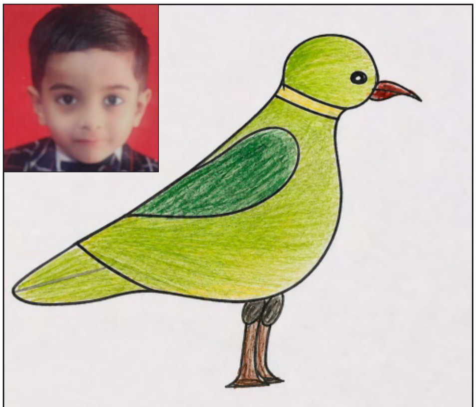

فاطر ذکراللہ خان، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

مریم جنید خان، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چھلی، پونہ، مہاراشٹر

ریحان خان، درجہ پنجم، اسپرنگ ڈالیس اسکول، دبئی (یو اے ای)

اریبہ آصف، کشمیر

محمد عارض سبحانی، سینٹ میری کنوینٹ اسکول، امروہہ، یوپی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔
قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔
ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक,अक्टूबर 2026, वर्ष 14, अंक 10
BACHON KI DUNIYA Monthly, October 2026 Vol. 14, Issue: 10
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/09/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

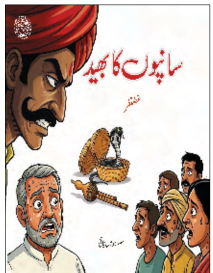

صفحات:23، قیمت:35 روپے

صفحات: 20، قیمت: 35 روپے

صفحات: 32، قیمت: 40 روپے

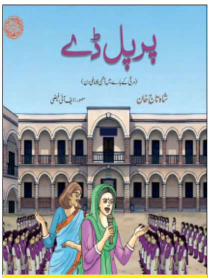

صفحات: 32، قیمت: 35 روپے

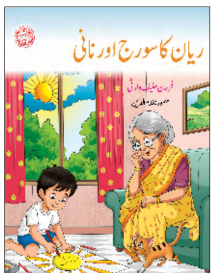

صفحات: 32، قیمت: 45 روپے

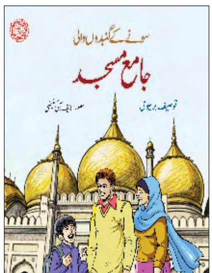

صفحات:32، قیمت:45 روپے

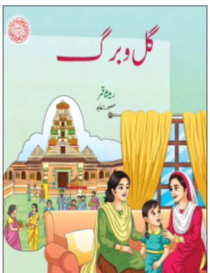

صفحات: 32، قیمت: 45 روپے

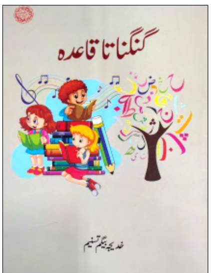

صفحات:37، قیمت:30 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.